بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۱ | ۲۵ ستمبر ۲۰۲۴ء مطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۴۴۶ھ | شمارہ نمبر ۲۲

اس شمارے میں

شعروادب		
چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک	مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ	۴
اداریہ		
اصلاحِ حال اور خالقِ کائنات.....	شمس الحق ندوی	۵
خلق حسن		
انسانی زندگی میں اسلامی تعلیمات	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۷
فکر معاصر		
انسان کا سب سے عظیم سرمایہ	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۹
سراج منیر		
قافلۂ انسانیت کے لیے منارۂ نور	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	۱۱
نسخۂ کیمیا		
ایمان واخلاق سب سے بڑی طاقت	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۳
اصلاحِ معاشرہ		
حسد سب سے خطرناک گناہ	مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی	۱۴
اخبارواحوال		
فتنۂ ارتداد کے اسباب وعلاج	ڈاکٹر محمد سراج الدین ندوی	۱۵
یادِ رفتگاں		
آہ! مولانا ڈاکٹر عبدالجبار ندویؒ	ڈاکٹر ہارون رشید ندوی	۱۸
رحمت عالمؐ		
حضورؐ کا غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ	محمد ارمغان بدایونی ندوی	۲۳
عالم اسلام		
تحریک 'حماس' اور ایک عظیم رہنما	عبدالنور عبدالباری ندوی	۲۶
رودادِ چمن		
قانونِ وقف پر ایک مذاکرہ	عبادالحق آسامی ندوی	۲۹
رسید کتب		
تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۳۱
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com
مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلدی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

جہاں ہے نور کا اِک شامیانہ جہاں پر ہے سجی بزم شہانہ
جہاں لعل و گہر کا ہے خزانہ جہاں کا ہے مبارک ہر زمانہ
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں کی رات بھی دن سے منور جہاں کا خار بھی گل سے ہے بہتر
جہاں ملتے ہیں جھک کر ماہ و اختر جہاں کا ہر مکیں محبوب و دلبر
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں کی ہر گلی دار الشفا ہے جہاں کا چپہ چپہ دلکشا ہے
جہاں کی دلنواز آب و ہوا ہے جہاں کا لمحہ لمحہ جاں فزا ہے
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں ہے اہل دل کی ایک بستی جہاں معدوم ہے باطل پرستی
جہاں چھائی ہے دل پر کیف و مستی جہاں حاصل ہے حق کو بالادستی
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں ہوتا ہے دل سے دور کینہ جہاں آتا ہے جینے کا قرینہ
جہاں ملتا ہے دل کو اک سکینہ جہاں کا ذرہ ذرہ ہے نگینہ
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

رہے آرام گاہ شاہ لولاک رہے وہ مرکزِ اصحابِ ادارک
وہاں کا عالم پاک اور ہم خاک چہ نسبت خاک را با عالم پاک
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

اداریہ

اصلاحِ حال اور خالقِ کائنات کی طرف رجوع

شمس الحق ندوی

موجودہ غیر معمولی حالات وحوادث صاف بتلا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس موجودہ طرزِ زندگی سے جس میں دعوت کی روح، دین کے لیے جدوجہد، آخرت کی فکر اور ایمانی زندگی کی کیفیات نہ ہوں، ہرگز راضی نہیں، بدلتے ہوئے حالات اور ہواؤں کے رخ بتا رہے ہیں کہ قدرت مسلمانوں کو جھنجھوڑ رہی ہے اور مختلف قسم کے اشارات اور خطرے کی علامات ان کی تنبیہ وعبرت کا سامان فراہم کر رہے ہیں اور خطرے کا سائرن بجا رہے ہیں کہ اگر تم اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے نہیں حاصل کرتے اور دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ بہنے والے دھارے سے اپنے کو الگ نہیں کرتے، اپنی کھوئی ہوئی قدروں کو پھر سے زندہ وجاوید نہیں بناتے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہاری حفاظت نہیں کرسکتی، اپنے منصب ومقام سے نیچے اتر کر دوسری قوموں کی صف میں کھڑے ہوکر نہ فرض منصبی ادا کرسکتے ہو اور نہ ہی اپنے تشخص وامتیاز کو باقی رکھ سکتے ہو۔

مسلمانوں کی عام آبادی کا طرزِ زندگی دنیاوی انہماک اور خود فراموشی سخت تشویش ناک ہے، زندگی کا یہ طرز کہ سوائے مادی ضروریات کی تکمیل اور اپنی شکم پری اور اپنے بچوں کی پرورش یا حصول جاہ ودولت کے زندگی کا کوئی بلند مقصد نہ ہو اور زندگی ایمان واحتساب سے یکسر خالی، اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبہ سے عاری ہو، اس میں دینی شعائر واحکامات پر عمل پیرا ہونے اور خدا سے اپنا تعلق استوار کرنے کا کوئی احساس وشعور نہ ہو، اس کو اپنے اندر ایمان کی حلاوت وچاشنی پیدا کرنے کا شوق وولولہ نہ ہو، اپنے بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کی کوئی فکر نہ ہو، مسلمان بستیوں میں فقط اذان ہوتی ہو؛ لیکن مسجدیں نمازیوں سے خالی رہتی ہوں، اخوت اسلامی اور خیر کے کاموں میں تعاون کی روح مردہ ہوچکی ہو، غرض یہ کہ جس مقصد کے لیے مسلمانوں کی بعثت ہوئی ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [آل عمران/۱۱۰] (مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو) اس کو امت کا بڑا طبقہ فراموش کرچکا ہو؛ بلکہ اس کا خوش حال اور روشن خیال طبقہ امت کی اس ذمہ داری اور مقصد کا مذاق اڑاتا ہو، الا ماشاء اللہ تو پھر امت مسلمہ کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں، مسلم قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دیگر اقوام عالم سے بالکل مختلف ہے، ان کی معمولی چوک اور تساہلی پر تنبیہ ہوتی ہے، چہ جائیکہ یہ امت غفلت ہی کو اپنا شعار بنالے، اور جب مال اور دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی طلب ومحبت میں دیگر اقوام عالم کی شریک وسہیم بن جائے۔

غزوۂ حنین میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صرف اس تصور وخیال پر تنبیہ ہوئی تھی اور مسلمان شکست کھا گئے تھے کہ اس وقت ہم بہت بڑی تعداد میں ہیں، ہم بڑی آسانی کے ساتھ اپنے دشمن کو شکست دے سکتے ہیں، ہم نے تو ان پر اس وقت فتح حاصل کی تھی جب ہم بہت تھوڑے سے تھے۔

مسجدوں کا مسلمان نمازیوں سے خالی ہونا اور سنیما ہالوں کا ان سے رونق پانا، مسلمانوں کے خوش حال طبقہ کا اپنے پڑوسی فقراء ومساکین، یتیموں اور بیواؤں، بلکہ عزیزوں اور قرابت داروں کے فقر وفاقہ اور اضطرار واضطراب سے متاثر نہ ہونا اور صرف اپنے ذاتی معاملات اور اپنی دلچسپی کے دائرہ میں دولت کا بے دریغ خرچ اور روپیہ کا پانی کی طرح بہانا خدا کے غضب کو بھڑکانے والا طرزِ عمل ہے اور اسی طرزِ عمل کے نتیجہ میں وہ واقعات پیش آتے ہیں جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جن سے جنگل کے درندے اور بھیڑیئے بھی شرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دعوت کا فریضہ عائد کیا ہے، لہٰذا مسلمان جب بھی اپنے اس فرض سے غفلت برتیں گے اور اپنے اصل مقام سے نیچے اتریں گے اور دنیا طلبی اور خود غرضی کو اپنا پیشہ بنائیں گے تو لازماً نظام عالم درہم برہم ہوجائیگا اور وہ کچھ ہوگا جو قیاس وگمان میں آنے والا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اس امت کی نصرت ومدد کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کا وعدہ یقیناً حق ہے، مگر پختہ یقین اور یقین کامل اس کی اولین شرط ہے۔

"وَلَاتَهِنُوا وَلَاتَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" [آل عمران/ ۱۳۹] (اور دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے)۔ نیز فرمایا گیا ہے: "نَحْنُ أَوْلِيَاءُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ" (ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی تمہارے رفیق ہیں)۔

جس کا ناصر و مددگار خود خالق کائنات ہو، کیا کوئی اس کا بال بیکا کرسکتا ہے؟ یاد کیجیے! سامنے سمندر ہے، پیچھے فرعون اور اس کا لشکر، بنی اسرائیل چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان ہیں، اس عالم کائنات میں جو نظام جاری ہے، اس کی رو سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل اس خطرہ سے بچ کر نکل سکیں گے مگر ہوا کیا؟ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اضطراب و پریشانی کو دیکھ کر ایمان و اعتماد کے لہجہ میں فرمایا: "كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ" (تم ہلاک ہو جاؤ گے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ میرے ساتھ میرا خدا ہے، مجھے راستہ دے گا)۔

بنی اسرائیل دریا پار ہوتے ہیں، اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق دریا ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں ہیں، کفار قریش آپؐ کی تلاش میں غار کے دہانے پر آجاتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ پریشان ہیں کہ اگر کسی نے بھی اپنے قدم سے نیچے دیکھا تو ہم پکڑے جائیں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا: "مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا" (ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی خدا ہے)۔

مسلمانوں کے کرنے کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کن روگوں اور بیماریوں کے باعث وہ موجودہ حالت کو پہونچے ہیں، اور اس جائزہ کے بعد اپنی اصلاح کی کوشش اور انابت و رجوع کی کیفیت پیدا کریں، اللہ تعالیٰ سے دوبارہ اپنے تعلق کو مستحکم و مضبوط کریں۔

کیا دنیا کی کوئی عقل یہ تسلیم کرسکتی ہے کہ کسی جانور کا لقمہ بن جانے اور اس کے معدہ میں اتر جانے کے بعد بھی کوئی زندہ رہ سکتا ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت کی کیفیت نے یہ بھی کر دکھایا۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کا لقمہ بن جاتے ہیں اور یہ تنبیہ خداوندی تھی، پھر جب ان کو اپنی لغزش کا احساس ہوتا ہے اور متوجہ الی اللہ ہو کر عرض کرتے ہیں: "لَااِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" (تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور بے شک میں قصوروار ہوں)۔ جوں ہی رجوع و انابت کی یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ اللہ کو پکارتا ہے، خدا کی مدد آموجود ہوتی ہے، آپؑ مچھلی کے پیٹ سے آزاد ہو کر صحیح و سلامت دوبارہ زمین پر آجاتے ہیں۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن خود ان کے گناہ ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے سپہ سالار منصور بن غالب کو محاذ جنگ پر روانہ کرتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی تھی:

''تم کو خواہ کیسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑے، ہر حال میں خدا کا خوف و لحاظ رکھنا کہ تقویٰ بہترین سامان اور بہت کارگر چال ہے، خوف خدا سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں، دشمن سے زیادہ اس بات سے ڈرو کہ خود سے یا تمہارے فوجیوں سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، گناہ دشمن سے بھی زیادہ ڈرنے کی چیز ہے، دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد اس لیے ہوتی ہے کہ وہ گنہگار ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم ان کے مقابلہ میں ٹک نہیں سکتے تھے، اس لیے کہ نہ ہماری تعداد اتنی بڑی ہے اور نہ تیاری ہی ان کی جیسی ہے، اگر ہم گناہ میں اپنے دشمن کے برابر ہو گئے تو مادی طاقت میں وہ ہم سے بہت فائق ہیں، اطاعت شعاری اور گناہوں سے پرہیز کی بنا پر نصرت خداوندی کا استحقاق نہ حاصل ہوا تو اپنی طاقت سے ہم ان پر کبھی غالب نہیں آسکتے، تم لوگوں کی عداوت سے زیادہ اپنے گناہوں سے ڈرو، اپنی قدرت و طاقت سے زیادہ اپنے گناہوں سے بچنے اور حفاظت کا اہتمام کرو، تم یہ ہرگز نہ سوچو کہ ہمارا دشمن ہم سے برا اور خدا کا باغی ہے، اس لیے اس کو ہم پر تسلط و غلبہ نہیں ہوسکتا، چاہے ہم گناہ کریں۔ بہت سی قوموں پر انکے گناہوں کے سبب ان پر بدترین لوگ مسلط کر دیے گئے، تم جس طرح دشمن کے مقابلہ میں خدا سے مدد طلب کرتے ہو، اپنے نفس کے مقابلے میں بھی خدا کی مدد کے طالب بنو''۔

اپنے ان خیالات کے اظہار میں ہم قارئین کرام کو ترک اسباب اور ظاہری وسائل و ذرائع سے آنکھ بند کرنے کی دعوت نہیں دیتے، بلکہ پورے یقین و اعتماد کے ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں اور تاریخ اسلام اس کی شاہد ہے کہ احکام خداوندی کی پابندی، اس کی طرف رجوع و انابت کو اولیت حاصل ہے اور ان سے غفلت برتنے کے بعد اسباب و قوت بے فائدہ اور بے معنی ہیں، فھل من مدّکر۔

☆☆☆☆☆

خلق حسن

انسانی زندگی میں اسلامی تعلیمات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

مسلمانوں کی سیرت واخلاق کی صحیح تشکیل قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کی تعلیمات کے ذریعہ ہوتی ہے،لہٰذاان تعلیمات سے مسلمانوں کو جس قدر واقفیت ہوگی اسی قدر ان کی سیرت واخلاق کی صحیح تشکیل میں مدد ملے گی؛لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ تعلیمات سے محض واقف ہونا کافی نہیں،ان تعلیمات کو زندگی میں عملاً جاری وساری کرنے کی ضرورت اصل ضرورت ہے،اوراس ضرورت کو پورا کرنے میں سب سے اہم کردار عملی نمونوں کا ہوتا ہے،اور یہ بات ہم کو اسلام کے عہد اول میں خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے،آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانی زندگی کو خدا کی بندگی کے ماتحت لانے اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرنے کا حوصلہ وجذبہ پیدا کرنے کے لیے قیامت تک رہنمائی کرنے والی تعلیمات لے کر آئے تھے، صرف یہی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس کام کو انجام دینے کے لیے صرف مختصر مدت میں تعلیمات خداوندی کو پہنچادینے کے لیے بھیجتا یا اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپؐ کو انسانوں تک پہنچا دیتا بلکہ آپ کو تئیس سال تک انسانوں کے درمیان رہنا پڑا، اور آپؐ نے صرف ان کے درمیان رہ کر تعلیم دیدینے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ان تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی شکل میں برت کے دکھایا، اور ان کو زندگی میں جاری وساری کرنے کے نمونے پیش کیے،اوراس طرح تئیس سال میں توحید وتوکل، عبادت وبندگی، تعلیم ودعوت،انسانی خیرخواہی وہمدردی ،تعاون فی الحق، پھرصبر وتوکل، پھرامن وجنگ کے مختلف حالات میں ایک مومن کا جوطرز ہونا چاہیے وہ دکھایا، جس کے اثر سے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تیار فرمادی،جس نے اپنی زندگیوں میں ان تعلیمات کو نہ صرف یہ کہ اتارلیا بلکہ دوسروں کے لیے اپنی زندگیوں کو ایسا نمونہ بنادیا کہ پھر یہ سلسلہ اس وقت سے نسلاً بعدنسلٍ مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا گیا،جس کا مظہر وہ ماحول ہوتا تھا، جس میں یہ برگزیدہ حضرات رہتے اور زندگی گذارتے تھے،اورسچ پوچھئے تو عہد اول کے وقت سے برابر اگلے نمونوں سے پچھلے نمونے بنتے رہے اور انہی نمونوں نے مسلمانوں کے ایمان وعمل کو بحفاظت عہد اول سے مسلسل ایک عہد سے دوسرے عہد کو منتقل کیا، ہم جونمازیں پڑھتے ہیں یہ وہ نمازیں ہیں جن کو کتاب میں پڑھنے سے قبل ہم نے اپنے پیش روؤں کو پڑھتے دیکھا ہے، ہم جوروزہ رکھتے ہیں وہ اپنے پیش روؤں کو رکھتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح ہمارے سارے اخلاق وکردار کا معاملہ ہے، ہم اپنے ماحول سے ہی صحیح صحیح نقشہ پر عمل کرنا سیکھتے ہیں،اس کے لیے ماحول کو اچھا بنانے کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، اگرنیکوکارلوگوں کا ماحول ہوتا ہے تو اس میں نشوونما پانے والے نیکوکار بنتے ہیں، اور اگر منحرف اور بگڑے ہوئے لوگوں کا ماحول ہوتا ہے تو اس میں نشوونما پانے والے بگاڑ سیکھ لیتے ہیں اور اس پر عامل ہوجاتے ہیں۔

ماحول کو اچھا بنانے کے لیے بھی محض تعلیم دے دینے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس کے لیے مزید کچھ اور بھی کرنا ہوتا ہے، پہلے تو اپنی سیرت واخلاق میں اس کا اچھا نمونہ دکھانا ہوتا ہے، پھراس کو اختیار کرنے کے لیے تاکید کے مختلف طریقے اختیار کرنا ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں حکم آتا ہے:”من رأی منکراً فلیغیرہ بیدہ فإن لم یستطع فبلسانہ فإن لم یستطع فبقلبہ وذلك أضعف الإیمان“ فرمایا کہ تم میں سے کوئی اگر برا کام دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اس میں تغیر لائے، اگر ایسا نہ کرسکتا ہو تو اپنی زبان سے اس میں تغیر لائے، اور اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہو تو اپنے دل سے ایسا کرے،اور یہ کمزور ایمان کا درجہ ہے، مثلاً بری بات دیکھنے والا اگر باپ ہے تو وہ ہاتھ سے یعنی سختی سے اس کو بدلوا سکتا ہے، اور اگر برابر کا ہے یا جیسا کہ ساتھی دوست ہوتا ہے تو اپنی زبان سے اس کو بدلوا سکتا ہے، اور اگر چھوٹا اور کمزور ہے، کہہ بھی نہیں سکتا، تو اپنے دل میں یہ خیال رکھے کہ یہ برا کام ہورہا ہے تاکہ جب بھی اس کو اس سے زیادہ کا موقع ملے تو وہ اس سے زیادہ کرسکے۔

یہ اہتمام جو مذکورہ بالا حدیث کی رو سے واضح ہوتا ہے جب بھی کسی ماحول میں رائج ہوگا، وہ ماحول یقیناً اچھا بنے گا اور ماحول جب اچھا ہوگا تو اس ماحول کے رہنے والے اس سے متاثر ہوکر اس سے خیر وصلاح کی زندگی کو اپنائیں گے اور

اچھے بن سکیں گے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی مثالیں جگہ جگہ ملتی ہیں، اور اب بھی باوجود یکہ دنیا میں انسانیت اور حق وصداقت کی قدروں سے انحراف بہت عام ہو چکا ہے، جگہ جگہ مسلمانوں میں اچھے ماحول کے نمونے ملیں گے، اور اچھے ماحول کے پورے نمونے جہاں نہیں ملیں گے، وہاں اچھی سیرت وکردار کے اشخاص ملیں گے جنھوں نے اپنے محدود ماحول یعنی اپنے گھر کے اندر ہی اچھے ماحول کا نمونہ قائم کر رکھا ہوگا۔

یہی نمونے ہیں جنھوں نے برابر دینِ صحیح کی اعلیٰ قدروں کو جگہ جگہ برقرار رکھا ہے، اور ان کی بنا پر اسلام زندہ ہے، جب کہ دوسرے تمام مذاہب اپنی اصل خوبیوں اور نمونوں سے محروم ہو چکے ہیں، اس میں اصلاً اسلام کی کتاب ہدایت قرآن مجید کے اثر کو دخل ہے، پھر حدیث شریف کی رہنمائی کارفرما ہے جو برابر متوجہ کرتی اور جذبہ بیدار کرتی رہتی ہیں، اور رہنمائی حق کے یہ دونوں ذریعے اللہ کی طرف سے محفوظ رکھے گئے ہیں، ان میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے؛ لیکن دونوں کی عظیم رہنمائی کے باوجود جب تک ان کی تعلیمات کو افراد کی زندگی کے نشیب وفراز میں اتارا اور پیش نہیں کیا جاتا اور ان کا ماحول نہیں بنایا جاتا ان کا پورا اثر نہیں پڑتا، ہم کو ضرورت ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں جاری کر کے اسکا ماحول بنائیں، اسی سے مسلمانوں میں ان کا دین جاری وساری ہوتا رہے گا، اور ان کے جاری وساری ہونے میں کمی ہوئی تو اس کے نتیجہ میں دین صحیح کے جاری وساری ہونے میں کمی ہوگی۔

☆☆☆☆☆

جاہلیت کی محبت یا اس کی اعانت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

انبیاء کرامؑ کفر کی پوری بیخ کنی کرتے ہیں، وہ کفر کے ساتھ رواداری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے، کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے، اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دُوررَس اور باریک بیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت اور عزیمت عطا فرماتا ہے، ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کیے بغیر چارہ نہیں، انبیاء کے صحیح جانشین بھی اس بارے میں انہی کی فراست وعزیمت رکھتے ہیں، وہ کفر کا ایک ایک نشان مٹاتے ہیں اور جاہلیت کا ایک ایک داغ دھوتے ہیں، کفر کا ادارک کرنے میں ان کی حِس عوام سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، کفر جس لباس میں اور جس صورت میں ظاہر ہو وہ اس کو پہچان لیتے ہیں، اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں، کہیں ہندوستان جیسے ملک میں بیواؤں کے نکاح ثانی کو حرام سمجھنے اور اس سے شدید نفرت رکھنے میں ان کو کفر کی بو محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کو رواج دینے اور اس سنت کو زندہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں، کہیں قانون شریعت پر رواج کو ترجیح دینا اور بہنوں کو میراث نہ دینے پر اصرار کرنا ان کو کفر معلوم ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں کی مخالفت اور ان کا مقاطعہ فرض سمجھتے ہیں، کبھی اللہ ورسولؐ کا صاف وصریح حکم سن لینے کے بعد اس کو نہ ماننا اور غیر الٰہی عدالت اور غیر الٰہی قانون کے دامن میں پناہ لینا اور غیر اسلامی احکام وقوانین نافذ کرنا ان کو اسلام سے خروج کے مرادف معلوم ہوتا ہے اور وہ مجبوری کی حالت میں وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں، کبھی کسی نومسلم کے یا ایسے مسلمانوں کے جو غیر مسلموں کی صحبت میں رہتے ہوں اور ان سے متاثر ہوں، ایسا ذبیحہ استعمال کرنے سے احتراز کرنے میں، اور اس سے نفرت کرنے میں جس سے ان کی ہمسایہ قوم اور ابنائے وطن سختی سے مجتنب رہتے ہیں، اور ان میں اس کی نفرت یا اس سے وحشت عام ہے، ان کو ایمان کی کمزوری اور ان کے قدیم مذہب یا غیر مسلموں کی صحبت کا اثر نظر آتا ہے، کبھی بعض حالات ومقامات میں ایک سنت، جائز ومستحب کو وہ واجب اور شعائر اسلامی سمجھتے لگتے ہیں، کبھی وہ غیر مسلموں کے رسوم وعادات اور ان کی تہذیب اور وضع ولباس اختیار کرنے اور ان سے تشبّہ پیدا کرنے کی شدومد سے مخالفت کرتے ہیں اور کبھی ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کی ممانعت کرتے ہیں۔

غرض جاہلیت کی محبت یا اس کی اعانت جس لباس اور جس صورت میں جلوہ گر ہو، اور اس کی روح جس قالب میں بھی ظاہر ہو، وہ اس کو فوراً بھانپ لیتے ہیں، ان کو اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصلحت ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی۔

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

انسان کا سب سے عظیم سرمایہ

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

اس عالم فانی میں انسان کے لیے وقت ایک ایسی متاع بیش بہا ہے جو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کسی قیمت کے عوض واپس نہیں لائی جاسکتی، دنیا کی نایاب سے نایاب شے کے ملنے کی توقع ہر وقت کی جاسکتی ہے اور بڑے سے بڑے نقصان کی تلافی کا امکان موجود ہے؛ لیکن وقت انسان کی وہ کنجی ہے جو کھو جانے پر پھر واپس نہیں مل سکی، اور زندگی کا قفل پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا ہے، اسی لیے وقت کو انسان کی سب سے اہم ترین اور قیمتی متاع بتایا گیا ہے اور ہر دور کے عقل مند انسانوں نے اس کی قدر کی ہے اور اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا ہے۔

آپ اپنی زندگی کی تاریخ پر نظر ڈالئے، اور اس وقت کا احساس کیجیے جب سے آپ نے زندگی کا سفر شروع کیا ہے اور دنوں پھر مہینوں کو شمار کرنا شروع کیجیے، تو آپ کو اپنے وقت کا حساب لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں پیش آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا جیسے ابھی ابھی کل ہی کی بات تو ہے، دنیا کی زندگی میں جس طرح یہ احساس پیدا ہوتا ہے، بالکل قیامت کے دن بھی حساب کے موقع پر اسی احساس سے دو چار ہونا پڑے گا، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

"وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ" [سورہ یونس: ۴۵] (اور جس دن خدا ان کو جمع کرے گا تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ گویا وہاں گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے)۔

لیکن دنیا کے لوگوں کی حالت کتنی عجیب ہے کہ قضا وقدر ان کو متنبہ کر رہی ہے، اور وہ اس سے غافل ہیں، ان کی زندگی کی قیمتی ساعت پوری برق رفتاری کے ساتھ گذر رہی ہے؛ لیکن وہ اس حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

اسلام دین رحمت ہے، وہ زندگی کی تنظیم کرتا ہے اور اس کو خوشگوار بنانے کے لیے وہ ایسا نظام مرتب کرتا ہے جو ایک مثالی معاشرہ کو وجود میں لائے جس کی بنیاد اعلیٰ انسانی قدروں پر قائم ہو؛ لیکن مثالی معاشرہ اسی وقت برپا ہوسکتا ہے، جب اس کا ہر فرد اپنے وقت کی قیمت اور اپنے لمحات کی اہمیت کو بھی سمجھتا ہو، وہ اس اصول سے پوری طرح واقف ہو کہ "الوقت كالسيف ،إن لم تقطعه قطعك" (وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس سے کاٹنے کا کام نہیں کرو گے تو کسی دن وہ تم کو کاٹ دے گی)۔

انسان اپنے وقت کی قیمت پہچانے اور اس سے کام لے، یہ بھی ایمان اور تقویٰ کی علامت ہے، زمانے کے الٹ پھیر اور لیل ونہار کی گردش سے سبق حاصل کرنا اہل تقویٰ کا شعار ہے، وہ اس سے سبق لے کر اپنے قیمتی وقت کو اس کام میں لگاتے ہیں جو آنے والی زندگی میں ان کی مدد کر سکے۔

اسلام نے عبادات کے اندر بھی وقت کی اہمیت اور ترتیب کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے، پنجگانہ نمازوں میں وقت کی ترتیب کس قدر نمایاں ہے، سال میں مقررہ وقت پر روزہ کی عبادت، زکوٰۃ اور حج کی عبادت یہ سب کچھ اس بات کا مظہر ہے کہ اسلام وقت کی قیمت کا کس قدر قائل ہے۔

زندگی کو منظم اور بامقصد بنانے میں وقت کی ترتیب اور اس کے نظام کو بڑا دخل ہے، اسی لیے ایک مسلمان کے نزدیک ہر کام کا ایک وقت اور ہر عمل کی ایک ترتیب ہے۔ انسان اپنی ذمہ داری کو اسی وقت امانتداری کے ساتھ ادا کرسکتا ہے جب وہ وقت کی اہمیت کا پورا احساس رکھتا ہو، وہ سمجھتا ہو کہ کام کو اس کے مقررہ وقت میں انجام دینا خوشگوار زندگی حاصل کرنے اور مثالی معاشرہ قائم کرنے میں سب سے زیادہ معاون ہے۔

وقت کی قیمت کو سمجھنے والے اور اس کی اہمیت کا احساس رکھنے والے ہر زمانہ میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، خالص مادی نقطۂ نظر سے وقت کی قیمت کو سمجھنے والے بھی مادی حیثیت سے دوسروں کے مقابلہ میں کم ہیں، مادہ پرست قوموں نے بھی جب وقت کی قدر کی اور اس سے پورا فائدہ حاصل کیا تو زندگی کے میدان میں وہ آگے بڑھ کر رہیں، اور اپنی حریف قوموں کے مقابل میں وہ مادی ترقیوں میں اتنی آگے نکل گئیں کہ کوئی ان کے مدمقابل آنے کی ہمت نہ کرسکا۔

آج بھی دنیا کی جن قوموں نے وقت کی قیمت کو محسوس کرلیا، وہ تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگیں، اور انہوں نے ایسے حیرت ناک کارنامے انجام دئے جو اہل زمانہ کی نگاہوں کو خیرہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مسلمان کا ہر لمحہ اس کے لیے خیر وبرکت کا پیغام ہے اور خوشگواری ومسرت کا انعام ہے، بشرطیکہ وہ اس سے مستفید ہو، اور صحیح معنوں میں اس کی قیمت سمجھ سکے، اس لئے کہ گذرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آسکتا، اور نہ اس کی تلافی کی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دن کے شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ایک منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ اے ابن آدم! میں ایک مخلوق ہوں اور تمہارے اعمال پر گواہ ہوں، اس لیے کہ جو عمل صالح کرنا ہو کرلو، ورنہ یاد رکھو میں واپس نہیں آسکتا، قرآن مجید نے بھی اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُوراً" [سورہ فرقان:۲۵]

(ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا، ہر اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور شکر گذار بننا چاہے)۔

قوموں کی ترقی کا راز وقت کی ترتیب و تنظیم میں جس حد تک مضمر ہے کسی اور چیز میں نہیں، تاریخ کی کتنی بڑی بڑی شخصیتیں وقت کی قیمت پہچاننے کے بعد اس منزل پر پہنچیں جہاں سے انہوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے جو تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں۔ آج بھی اور ہر زمانہ میں تاریخ کا ہیرو، قوموں کا قائد اور مثالی شخص وہی شخص بن سکتا ہے جو اپنے وقت کی قدر پہچان کر اس سے پوری طرح مستفید ہو سکے۔

انسان کی عمر اس کا سب سے عظیم سرمایہ ہے، قیامت کے دن جن چار باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سوال کرے گا، ان میں سب سے مقدم یہی سوال ہوگا کہ اس نے اپنی عمر کس چیز میں گذاری، حدیث شریف میں وارد ہے کہ: "قیامت کے دن کسی بندہ کا قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، عمر کے بارے میں کہ کس مشغلہ میں گذاری، جوانی کے بارے میں کہ اس کو کس کام میں لگایا، مال کے بارے میں کہ اس کو کہاں سے کمایا اور کس جگہ صرف کیا، علم کے بارے میں کہ اس کے مطابق کہاں تک عمل کیا"۔

☆☆☆☆☆

ملک وقوم کے سامنے خطرناک صورتِ حال

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

آج کل کے اخبارات چاہے کسی بھی زبان سے تعلق رکھتے ہوں، اس لائق نہیں رہ گئے ہیں کہ گھروں میں ان کا داخلہ ہو، گندے اور فحش اشتہارات اور فحش باتوں اور واقعات کا ناول کے انداز میں پیش کرنا ان کا شیوہ بن گیا ہے اور خاص طور پر جب سے دہلی کا وہ دلدوز واقعہ پیش آیا ہے جس نے درندوں اور جانوروں کو بھی شرما دیا ہے، اخبارات کا اس قسم کا واقعات کو رنگ آمیزی سے پیش کرنا اور اس بہانہ اخبارات کی اشاعت بڑھانا اپنا فرض سمجھ لیا ہے اور حکومت ہند اس قدر بے بس ہوگئی ہے کہ لگتا ہے ہندوستان میں کوئی حکومت موجود ہی نہیں ہے اور ملک خود بخود فحاشی اور ظلم و زیادتی کی ڈھلان پر لڑھکتا چلا جارہا ہے، ملک کے خودساختہ دانشور اور سیاسی لیڈران ہر مسئلہ پر بیان دے کر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں، اس سے زیادہ کچھ کرنا ایسی خطرناک صورت حال سے ملک وقوم کو نکالنا اور اس کے لیے ایسی تدبیریں کرنا جس سے معاشرہ کی اصلاح ہو، ان کی اُن کو نہ فکر ہے اور خیال ہے۔

اگر کچھ فکرمند لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف قانون بنانے سے کچھ نہ ہوگا، قانون کا نفاذ کرنے والے وہی ہیں جو پہلے سے موجود قانون کا نفاذ کررہے تھے؛ لیکن معاشرہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا، معاشرہ میں ایسا فساد اور بگاڑ پیدا کردیا گیا ہے اور مسلسل ٹی وی، اخبارات اور انٹرنیٹ کے ذریعہ بگاڑ پیدا کیا جارہا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں کے دل و دماغ میں جنسی زہر بھرا جارہا ہے، اس کا نتیجہ یہی ہونا ہے جو اس وقت ہورہا ہے۔

معاشرہ کے بگاڑ اور جان بوجھ کر نوجوان نسل میں پھیلائی جارہی فحاشی کو جدید تہذیب بتا کر جو کام کیا جارہا ہے اس کو روکنے کی ضرورت ہے؛ لیکن افسوس کی بات ہے کہ نہ حکومت کو اس کی فکر ہے اور نہ ملک وقوم کے دانشوروں کو، بلکہ حیرت کی بات ہے کہ اس مادر پدر آزاد تہذیب جو جانوروں کو شرما دے، اس کے خلاف اگر کوئی بولتا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے تو ایسے شخص کے خلاف ہنگامہ برپا کردیا جاتا ہے اور اس کو دقیانوسی اور تنگ نظر کا خطاب دیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں حکومت نے قانون بنایا ہے اور طرفہ تماشا ہے کہ جب سے قانون بنا ہے، فحاشی کے واقعات وبا کی طرح پھیل گئے ہیں اور اخبارات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں اب صرف یہی کام ہورہا ہے، اور پورا پورا ملک آہ آہ کررہا ہے؛ لیکن نہ کسی کو اصلاح کی فکر ہے اور نہ اس طوفان بلا کے سامنے باندھ بنانے کی فکر، بارود اور آگ کو ایک ہی جگہ رکھنے کا کام کیا جارہا ہے، اور دھماکہ ہونے پر شور مچایا جارہا ہے۔

☆☆☆☆☆

سراج منیر

قافلۂ انسانیت کے لیے منارۂ نور

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ رحمۃ للعالمین، پیامبر امن ومحبت، معلم انسانیت، سرور کونین رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسے پرفتن وپرآشوب دور میں ہوئی جب کہ ہر چہار جانب ضلالت وجہالت اور کفر وگمراہی کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، ظلم وزیادتی کا بازار گرم تھا، رشد وہدایت اور خیر وبھلائی کی راہیں مسدود ہوچکی تھیں، تخریبی طاقتیں انسانیت سے کھلواڑ کررہی تھیں اور انسان کو ایندھن کی طرح اپنے شخصی اغراض ومقاصد، حرص وہوس اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کررہی تھیں، انسانی و اخلاقی اقدریں یکسر بدل چکی تھیں، روئے زمین پر اضطراب وانتشار، قتل وغارتگری، کشت وخونریزی، اخلاقی ودینی بے راہ روی اور جنسی انارکی کا دور دورہ تھا، انسانی ضمیر مردہ ہوچکا تھا، خیر وصلاح اور حق کی آواز ناپید تھی، ہدایت کا چراغ گل ہوچکا تھا، طاقتور کمزور کو کھائے جارہا تھا، مالدار غریب کا خون پی رہا تھا اور انسانیت دم توڑ رہی تھی اور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔

اس ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو سہارا دیا، رشد وہدایت کا چراغ روشن کیا، تہذیب وتمدن اور علم ثقافت کو تعمیری رخ پر لگایا، امن وآشتی کا غلغلہ بلند کیا، الفت ومحبت کا نغمہ سنایا، علم کی سرپرستی کی، عدل ومساوات اور اخوت وبھائی چارگی کا درس دیا، تاریخ انسانی گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر انسانیت نواز وکرم گستر نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق کریمانہ، ہمدردی وخیرخواہی اور اعلیٰ انسانی کردار اور حسن سلوک سے کٹر معاندین کے دل جیت لیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت اور معاشرت ومعاملات میں نہایت درجہ کریم تھے، جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہوجاتا، آپ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریفتہ اور دلدادہ ہوجاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپ سے قبل میں نے آپ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپ کے بعد، صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں محبت وشفقت، نرمی وملاطفت، دلداری و دلنوازی، عفودرگزر اور کرم گستری کی جلوہ گری نظر آتی ہے، دوست تو دوست، جانی دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی ومحبت اور لطف وعنایت کا معاملہ فرماتے، دشمن جان لینے آتے؛ لیکن عاشق زار بن کر واپس ہوجاتے اور آپ پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوجاتے، کبھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا؛ بلکہ ستانے اور ایذاء پہونچانے والوں کو معاف کردیتے اور ان کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کرتے: "اللّٰھم اغفر لقومی فإنھم لا یعلمون" مکہ کی ۱۳ سالہ مدت کی زندگی صبر وبرداشت اور حلم وعفو کی اعلیٰ مثال ہے، طائف کے واقعہ کو تصور کیجیے اور قربان جائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وصبر پر، غزوۂ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید کیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صرف "اللھم اھد قومي فإنھم لا یعلمون" کے الفاظ نکلے، فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل غلبہ اور اقتدار حاصل تھا، چاہتے تو دشمنوں سے انتقام لے لیتے کہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہونچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی؛ لیکن نبی رحمت کا حلم وعفو دیکھئے کہ ارشاد ہوتا ہے: "اذھبوا أنتم الطلقاء" جاؤ تم سب آزاد ہو، تمہارا کوئی مواخذہ نہیں، کیا متمدن دنیا اس کی مثال پیش کرسکتی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے لیے غصہ نہ آتا، نہ اس کے لیے انتقام لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج اور نرم گفتار تھے، اگر آپ درشت خو اور بے مروت ہوتے تو لوگ آپ سے دور ہوجاتے، قرآن کریم میں آپ کے بارے میں ارشاد ہے: "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنتَ فَظاً غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" (اے محمد! خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے) [سورہ آل عمران: ۱۵۹] دوسری جگہ ارشاد ہے: "قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ" [سورہ توبہ: ۱۲۸] (تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے جن کو تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذیت پہونچانے والے کو معاف کردیتے؛ لیکن جب خدا کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی تھی، اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا اور کچھ مدد چاہتا تو اس کو جھڑکتے نہیں، بلکہ اس کی ضرورت پوری فرمادیتے، یا کم از کم نرم اور شیریں لہجہ میں جواب دیتے، کبھی کبھی سوال کرنے والے سخت طریقہ اختیار کرتے؛ لیکن آپ شفقت اور نرمی کا ہی معاملہ فرماتے، کسی خادم یا کسی عورت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا، اور نہ ہی ان کو ڈانٹا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو علم ومعرفت، حیاء وشرم اور الفت ومحبت کی ہوتی، اللہ کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے، لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ کرتے اور ان کے دلوں میں محبت والفت، اخوت وبھائی چارگی اور نرمی پیدا فرمادیتے، اسی دلداری اور ملاطفت کا نتیجہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ آپ پر ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ومعرفت اور رشد وہدایت کی راہ روشن کی اور نوع انسانی کو اخوت مساوات کا درس دیا اور یہ اعلان کردیا کہ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، مگر تقوی کی بنا پر، خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دنیا کے ایسے خطہ میں ہوئی جو اخلاقی، عقلی اور اعتقادی اعتبار سے سب سے زیادہ پس ماندہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پھیلے ہوئے فساد اور بگاڑ کے خلاف جد جہد کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور پیغام پوری نوع انسانی کے لیے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کا وقار بحال کیا اور اپنی حکیمانہ تعلیم وتربیت سے ایک ایسی مثالی جماعت تیار کردی جس نے پوری دنیا میں امن وامان، اخوت محبت، عدل وانصاف اور مساوات کا پیغام عام کیا، انسانیت کی بقاء وحفاظت کا کام کیا، چنانچہ کل تک جو رہزن تھے، وہ آج رہرو ہی نہیں، بلکہ بہترین رہبر بن گئے، کل تک جن کی زندگی فسق وفجور کی نذر تھی، آج وہ اتنے بلند اور مقدس مقام ومرتبہ تک پہنچ گئے کہ صداقت وپاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف ہوجائے، کل تک جو مردہ تھے، وہ آج زندہ ہی نہیں، بلکہ دوسروں کو زندہ کرنے والے بن گئے، صحابۂ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی چلتی پھرتی مثال تھے، رفیق غار اور خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا، خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عدل وانصاف کا غلغلہ بلند کیا، آپ کی زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی کے باوجود دشمن آپ کے رعب وجلال سے کانپتے تھے، بیت المقدس میں داخلہ کا واقعہ عدل فاروقی کا اعلیٰ نمونہ ہے، آپ فاتح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک خاکسار اور عاجز بندہ کی طرح داخل ہوئے، آپ کا یہ تاریخی جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ: ”جو کچھ ہے وہ اسلام کی ہی کی بدولت ہے“۔ صحابہ کرامؓ کی مثالی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت ہی کا نتیجہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں مبعوث ہوئے، وہ امی قوم تھی، خود آپ کو نبی امی کے لقب سے خطاب کیا گیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم انسانیت بنے اور آپ کی امی قوم نے ساری دنیا میں علم وحکمت کا چراغ روشن کیا، صدیوں تک علم وتہذیب کا علم اسی امت کے اہل عقل ودانش کے ہاتھ میں رہا، یہاں تک ایک مغربی مؤرخ نے لکھا ہے کہ: ”عرب ہمارے معلم اول ہیں اور عربوں کے علوم نہ ہوتے تو یورپ کو ترقی میں مزید تین سو سال لگتے“، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا اہم کارنامہ دین وعلم اور فکر اور دین اور دنیا کے درمیان رابطہ قائم کرنا تھا اور دین اور علم اور ریاست کو کسی خاص طبقہ یا جماعت کے احتکار سے آزاد کرنا تھا، جس کی مثالیں تاریخ اسلامی میں نمایاں طور پر ملتی ہیں۔

اسلام اپنی جامع اور متوازن تعلیمات، اپنے نبی کی سیرت پاک اور اپنے پیروکاروں کے حسن عمل اور اخلاق کریمانہ سے پورے عالم میں پھیلتا چلا گیا اور اسلام کا پیغام عام ہوگیا کہ رب العالمین اور خالق ارض وسماں ہی بندگی اور اطاعت کے لائق ہے۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اسلامی تعلیمات سے محروم نہیں، عبادت ہو، سیاست ہو، معاشیات ہو، اخلاقیات ہو، نباتات ہو، جمادات ہو، تعلیم وتعلم کا میدان ہو، غرضیکہ اسلام میں ہر ایک کے لیے رہنمائی موجود ہے، کیونکہ اسلام ابدی، جامع اور ہمہ گیر متوازن ضابطۂ حیات ہے اور یہی جامعیت اس کی کشش کا سبب ہے اور اسی جامعیت کی وجہ سے وہ اس وقت بھی سب سے زیادہ پھیلنے والا دین ہے اور اس کی یہ مقبولیت ہی اس کے مخالفین کے لیے پریشانی اور دشمنی کا سبب ہے۔

ربیع الاول کا مہینہ بڑا مبارک اور پرمسرت مہینہ ہے، جس میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری رواں دواں قافلۂ انسانیت کے لیے منارۂ نور بنی، جس کی روشنی میں انسانی قافلہ چلتا رہے گا، آیئے اس مبارک موقع پر ہم عہد کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کریں گے اور اپنی سیرت وزندگی کو اس کے زیر اثر کرنے اور اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں گے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

نسخۂ کیمیا

ایمان واخلاق سب سے بڑی طاقت

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

"وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" [سورۃ السجدۃ: ۲۱] (اور ہم ضرور ان کو بڑے عذاب سے پہلے قریبی عذاب کا مزہ چکھائیں گے، شاید وہ پلٹیں)۔

یہ آیت موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ہے اور راہِ نجات بھی، عالم اسلام کی بات لمبی ہے، اس ملک میں مسلمانوں کے حالات کیا تھے اور کیا ہیں؟ آزادی کے بعد سے کیا ہوا اور ادھر چند سالوں سے کیا ہورہا ہے؟ ہجومی تشدد (Mob lynching) مدرسوں پر حملے اور پورے ملک کی ناموافق فضا، اس سے مسلمانوں نے کیا سبق لیا؟ مایوسی مسئلہ کا حل ہے یا خواب غفلت؟ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا عمومی مزاج اس وقت دین سے دوری کا ایسا بن چکا ہے کہ سوچنے کا انداز بدل گیا ہے، نہ وہ قرآن مجید کی آیتوں سے سبق لینے کو تیار ہیں، اور نہ سیرت کے واقعات سے، غور وفکر کرنے والوں کا حال بھی یہ ہو چکا ہے کہ اگر وہ سامان حفاظت تلاش بھی کرتے ہیں تو وہ سامان غفلت ثابت ہوتا ہے۔

زندہ قومیں تاریخ سے سبق لیتی ہیں، جس کے پاس روشن تاریخ ہو، حقائق و واقعات کا ایک سلسلہ ہو، جس قوم کے اسلاف نے دنیا کو زیر و زبر کیا ہو، وہ جہالت کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارے، وہ ذلت وپستی کے غار میں گرتی چلی جائے، تابناک تاریخ کی کرنیں اس کے لیے صحیح روشنی کا سامان نہ کرسکیں اور وہ مایوسی کے بادلوں میں گھرتی چلی جائے، اس کا سبب ایک ہے اور صرف ایک، اس قوم نے سلف سے رابطہ توڑ لیا، صحابہ کی زندگی اس نے از کارِ رفتہ سمجھ لی، وہ بھول گئی کہ اس کی ترقی کا راز کیا تھا؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں سے جب حق کی آواز لگائی تو کس نے آپ کا ساتھ دیا، وہ صحابہ جو ہر طرح تمدن سے خالی تھے، پورے مکہ میں قلم تلاش کیا جاتا تو شاید ہی چند قلم دستیاب ہوتے، ان کے پاس کون سی حکومت یا طاقت تھی، یا انہوں نے کون سی سائنسی ترقیاں کرلی تھیں، ان کو جس طاقت نے زمین نے آسمان پر پہنچایا، اونٹوں کے چرانے والوں کو عالم کا گلہ بان بنایا، اور ساری دنیا کا ان کو معلم قرار دیا گیا، وہ صفت صرف ایمان و اخلاق کی تھی، اسی ایمان و اخلاق کی طاقت نے تاج خسروی ان کے قدموں میں ڈالا، یہی ایمانی طاقت تھی جس نے ربعی بن عامر کو رستم کے دربار میں ایسا جری کردیا کہ انہوں نے بھرے دربار میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا، یہ وہی اخلاق کی طاقت تھی جس نے سخت سے سخت دلوں کو موم کردیا، آج سب کچھ ہے لیکن یہی نہیں، یہ وہ بنیاد تھی جس پر سائنس کی فلک بوس عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں، اسی بنیاد پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک پورے کروفر کے ساتھ دنیا پر حکومت کی تھی اور دنیا کو علم وحکمت اور امن وامان سے بھر دیا تھا۔

اس بنیاد کو پھر سے استوار کرنے کی ضرورت ہے، اس ملک میں بھی اسی ایمان و اخلاق کو دہرانے کی ضرورت ہے، جو خواجہ خواجگان فاتح ہندوستان حضرت خواجہ اجمیری کی وراثت ہے، تاریخ میں واقعہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لارہے تھے اور شہاب الدین غوری واپس جارہا تھا، راستے میں ملاقات ہوئی تو سلطان نے کہا: حضرت! کہاں تشریف لے جارہے ہیں، زمین بڑی سنگلاخ ہے، حضرت نے فرمایا: تم جسموں کو فتح کرنے گئے تھے، میں دلوں کو فتح کرنے جارہا ہوں، پھر دنیا نے دیکھا:

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

☆☆☆☆☆

اصلاحِ معاشرہ

حسد سب سے خطرناک گناہ

مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے خیر و بھلائی کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، انس و محبت اس کی خمیر میں رکھا ہے؛ لیکن شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ اسے اس کی اصل فطرت سے ہٹانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے اور یہی اس کا شیوہ اور وظیفۂ حیات ہے، اللہ عزوجل نے انسان کی آزمائش کے لیے شیطان کو اس کی قوت اور قدرت بھی عطا کی ہے، لہٰذا وہ اپنی سرشت کے مطابق کام کرتا رہتا ہے، اس کے خلاف پر اس کی طبیعت نہیں چل پاتی، اس لیے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: ''شیطان تمہارا دشمن ہے، تم اسے دشمن بنا کر رکھو''۔

لیکن انسان غفلت کا شکار، نفس امارہ کا اسیر بن کر شیطان کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، انسان سے غلطی کا ہونا یا کسی جرم کا ارتکاب یہ اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا اس جرم یا گناہ پر اس کا اصرار ہے، گناہ کے ارتکاب پر اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اس کا گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے، اور یہ اس کے لیے رفع درجات کا سبب بن جاتا ہے، بشرطیکہ وہ صدق دل سے توبہ کرے، آئندہ گناہ سے باز رہنے کا عزم مصمم ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو وہ ایک روایتی عمل ہے، جو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں، لہٰذا توبہ کرتے وقت اس امر کا لحاظ کرنا چاہیے، بعض لوگ اور اکثر خواتین توبہ کے معنی یہ سمجھتی ہیں کہ منہ پر ہاتھ رکھ کر توبہ توبہ کہہ لیا جائے بس توبہ ہو جاتی ہے، اور نہ ہی کان پکڑ کر اٹھنے بیٹھنے سے توبہ کا عمل مکمل ہوتا ہے، توبہ تو وہ دلی کیفیت ہے جس سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے، اور انابت الی اللہ کے ساتھ خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور پھر عمل صالح میں لذت ملنے لگتی ہے، بدی اور نافرمانی سے بیزاری اور نفرت معلوم ہوتی ہے۔

گناہوں میں سب سے خطرناک گناہ حسد ہے، حسد ایک آگ ہے جو محسود تک پہونچتی ہے اور پھر حاسد کو بھی جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، یہ وہ گناہ ہے جو سب سے پہلے آسمان پر سرزد ہوا ہے، حسد کی وجہ سے ابلیس نے حضرت آدمؑ کے خلاف سازش کی اور انہیں ان کے مقام بلند سے گرانے کی کوشش کی، اس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا؛ لیکن حضرت آدمؑ کی توبہ اور انابت نے انہیں پھر مقام رفیع پر فائز کر دیا، اور شیطان ملعون رسوا ہوا، یہی انسان کا کمال ہے، شیطان اس سے زیر ہوتا ہے، زمین پر بھی سب سے پہلا گناہ جو اجتماعی زندگی میں سامنے آیا وہ بھی حسد ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کے مابین جو اختلاف رونما ہوا اس کا بھی سبب حسد ہی تھا ہابیل کی قربانی بارگاہ رب العزت میں قبول ہو گئی؛ لیکن قابیل کو شرف قبولیت حاصل نہ ہو سکی جس پر وہ چراغ پا ہو گیا، اور اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا، اور اس طرح رشتۂ اخوت کو حسد کی آگ نے خاکستر کر دیا، یہ پہلا قتل تھا جس کا سبب یا جس کی پاداش میں قیامت تک قتل کے گناہوں کا بوجھ اس کے سر پر ڈالا جاتا رہے گا۔

لہٰذا حسد سے بچنا چاہیے؛ لیکن یہ ایسی اجتماعی بیماری ہے جو انسان کے ہر طبقہ میں پائی جاتی ہے، کسی کی اچھی حالت دیکھ کر خوش نہ ہونا اس بیماری کا اصل سبب ہے، اس بیماری کا اسیر محسود کے لیے کنواں کھودتا رہتا ہے تاکہ وہ اس کو اس میں ڈھکیل کر اپنے نفسیاتی اضطراب کو تسکین دے سکے؛ لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ کنواں کھودنے والا بھی خود کنویں میں گر سکتا ہے اور پھر اس کی تباہی مقدر بن جاتی ہے، ایک بادشاہ کے دو مصاحب تھے، دونوں بڑے مقرب تھے؛ لیکن بادشاہ ایک کو دوسرے کا مقابلہ میں کچھ زیادہ ترجیح دیتا تھا، یہ چیز اس کے نزدیک حسد کا باعث ہو گئی، اس نے چاہا کہ اس کو راستہ سے ہٹا دے اور تقرب کی بارگاہ میں اس کا کوئی شریک نہ ہو، ایک روز بادشاہ سے اس نے کہا: حضور! یہ شخص جس پر آپ احسان فرماتے ہیں آپ اس سے محبت کرتے ہیں؛ لیکن وہ آپ سے نفرت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ جب آپ سے قریب ہوتا ہے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے تاکہ آپ کے منہ کی بو اس تک نہ پہونچے، اور یہ اس کا حضور معمول ہے، آپ نے شاید توجہ نہیں دی ہے، بادشاہ نے کہا آئندہ اس پر غور کروں گا، کیا وہ ایسا کرتا ہے۔

وہ شخص اسی وقت اس آدمی کے پاس گیا، جو اس کا دوست اور بادشاہ کا مصاحب بھی تھا، اس نے اس کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی اور باصرار اسی دن کی دعوت پر زور دیا، اس نے دعوت قبول کر لی، اس کے گھر آیا، .....

.....بقیہ صفحہ ۱۷ پر

اخبارواحوال

فتنۂ ارتداد کے اسباب اور علاج

ڈاکٹر سراج الدین ندوی

ارتداد کے معنی ہیں ''اس راستے سے پلٹ کر واپس ہوجانا جس راستے سے آدمی آیا ہے'' مگر اسلامی تاریخ میں ارتداد کے معنیٰ ''اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو چھوڑ دینا'' ہیں۔انگریزی میں اسے Apostasy کہتے ہیں۔کوئی مسلمان اپنے مذہبی عقائد توحید، رسالت، آخرت وغیرہ سے انحراف و انکار کرے اور علانیہ اپنے دین کو ترک کرنے کا اظہار کرے تو وہ مرتد کہلاتا ہے۔اسلام کے مسلمہ عقائد اور احکام میں سے کسی ایک کا انکار بھی ارتداد ہے۔مثال کے طور کوئی شخص کہے کہ میں توحید، رسالت کو مانوں گا مگر آخرت کو نہیں مانوں گا یا اسی طرح کوئی کہے کہ میں نماز کی فرضیت کا انکار کرتا ہوں، یا کوئی مسلمان کسی حرام چیز کو بغیر شرعی دلیل کے حلال کرلے یا حلال کو حرام قرار دے۔ان جملہ صورتوں میں وہ مرتد ہوجائے گا۔واضح رہے کہ اسلام کے مسلمہ عقائد و فرائض کا انکار ارتداد ہے۔اس کے برعکس بے عملی اگرچہ گناہ ہے مگر اس پر ارتداد کا حکم صادر نہیں ہوتا۔مثال کے طور پر کوئی مسلمان نماز نہیں پڑھتا، یا روزے نہیں رکھتا جب اسے توجہ دلائی جاتی ہے تو شرمندہ ہوتا ہے، اپنی کوتاہی کو تسلیم کرتا ہے تو وہ مرتد نہیں ہے بلکہ بے عمل ہے، یا کوئی مسلمان شراب پیتا ہے یا چوری کرتا ہے، اسے ان دونوں گناہوں کے گناہ ہونے کا علم بھی ہے اور احساس بھی تو مرتد نہیں بلکہ بدعمل ہے۔بے عملی اور بدعملی سے توبہ کرنا چاہیے اور ایک مسلمان کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اسلامی تاریخ میں ارتداد کا پہلا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد واقع ہوا جب ایک بستی کے لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کردیا۔اسی بنا پر خلیفہ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے جنگ کی یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے لوگ اسلام کی طرف واپس آگئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت دانش مندی اور جرأت و ہمت کے ساتھ ارتداد کا مقابلہ کیا اور اس کا سر کچل دیا، اسی زمانے میں کچھ ضعیف العقیدہ لوگ بھی مرتد ہوئے۔

فتنہ ارتداد کے مشابہ ہی ایک فتنہ اعتزال ہے، عباسی دور خلافت میں اس فتنہ نے سر اٹھایا۔ اس فتنہ کو خلیفۂ وقت مامون رشید کی حمایت حاصل رہی۔اس فتنہ کے موجدین کا عقیدہ تھا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اس کی اسی طرح مخلوق ہے جس طرح باقی مخلوقات ہیں ایک بڑی تعداد میں لوگ اس فتنہ کا شکار ہوئے۔اس فتنہ کی مخالفت کی قیادت امام احمد بن حنبلؒ نے کی۔ حکومت وقت نے انھیں اذیت ناک سزائیں دیں۔مامون رشید کے انتقال کے بعد اس فتنہ کا سدباب ہوگیا۔

ہندوستان میں ارتداد کی وبا اکبر کے دور حکومت میں پھیلی۔اس نے اپنی طرف سے ایک الگ مذہب ''دین الٰہی'' ایجاد کیا، جس کا شکار بہت سے حریص اور سادہ لوح مسلمان ہوگئے؛ البتہ علماء حق اور خاص طور پر مجدد الف ثانی کے عزم و ہمت کے سامنے اکبر کا خودساختہ دین الٰہی قائم نہ رہ سکا اور معدوم ہوگیا۔فتنۂ ارتداد کی سب سے زیادہ خطرناک مہم ''شدھی کرن'' کی تحریک ہے۔اس تحریک کا قیام ۱۹۲۳ء میں ہوا۔اس کا مقصد ہندوستان میں مقیم مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانا تھا۔اس تحریک کے بانیوں دیانند سرسوتی اور شردھانند کا نظریہ تھا کہ بھارت میں مقیم مسلمان اصلاً ہندو ہیں۔مسلم سلطنت نے بزور قوت انھیں مسلمان کرلیا تھا۔لہٰذا اب جب کہ مسلمانوں کی سلطنت ختم ہوگئی ہے انھیں ہندو ہوجانا چاہیے۔اسی تحریک نے بعد میں راشٹریہ سوئم سنگھ یعنی آر ایس ایس کی شکل اختیار کی اور آج تک شدھی کرن کی یہ تحریک جاری ہے۔گزشتہ دس سال میں اس میں تیزی آئی ہے۔موجودہ ارباب اقتدار نے قبول اسلام سے روکنے کے لیے تبدیلی مذہب قانون میں کئی ترامیم کی ہیں؛ البتہ اگر کوئی شخص ہندو ہونا چاہے تو وہ اسے تبدیلی مذہب نہیں تسلیم کرتی بلکہ ''گھر واپسی'' کے خوبصورت نام سے پکارتی ہے۔

ارتداد کی ایک لہر تقسیم ملک کے وقت دیکھنے کو ملی۔آزادی کے بگل کے ساتھ ہی ملک کی تقسیم کا سانحہ پیش آیا اور فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہوگیا اور مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ان کی زمینوں اور جائدادوں پر قبضہ کرلیا گیا۔بہت سے غریبوں، کمزوروں اور بے سہارا مسلمان لالچ، خوف اور جبر و اکراہ کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔

ارتداد کے اسباب

ارتداد کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت

یہ ارتداد کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ عام طور پر جو لوگ مرتد ہوتے ہیں انھیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ویسی واقفیت نہیں ہوتی جیسی کہ ہونا چاہیے۔ بس وہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے نام مسلمانوں جیسے ہوتے ہیں، وہ عقائد کی حقانیت کو نہیں سمجھتے۔ اس لیے وہ ارتداد کے ایک ہلکے سے جھونکے کو بھی برداشت نہیں کر پاتے۔

ایمان کی کمزوری

یہ وجہ بھی دراصل پہلی وجہ کا نتیجہ ہی ہے۔ کم علمی یا عدم واقفیت ہی کمزور ایمان کا سبب ہے۔ انسان دراصل جلد باز واقع ہوا ہے۔ وہ کسی اجر اور جزا کے لیے آخرت کا انتظار نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے وہ کسی کے جھوٹے دلائل سے بھی مات کھا جاتا ہے اور اپنا ایمان ترک کر دیتا ہے۔

غربت

ارتداد کی ایک بڑی وجہ غربت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فقر و فاقہ انسان کو شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ مسلمانوں میں غربت کے ازالہ کے لیے کوئی منصوبہ بند تحریک بھی موجود نہیں ہے۔ غریبوں کے لیے کوئی ادارہ نہیں ہے۔ اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اگر ایمان اور اسلام فروخت کرنا پڑتا ہے تو غریب لوگ بآسانی اسلام کا سودا کر دیتے ہیں کر دیتے ہیں۔ وطن عزیز میں عیسائیت کے فروغ کی بڑی وجہ غربت ہی ہے، جس کا شکا رایک طرف غیر مسلموں کے پسماندہ طبقات ہوئے ہیں تو دوسری طرف غریب مسلمان بھی ان کے جھانسے میں آئے ہیں۔ موجودہ وقت میں یہی کام سنگھی تنظیمیں کر رہی ہیں۔

لالچ

ارتداد کی ایک وجہ لالچ ہے۔ ہر انسان آسائش پسند ہے۔ مال کا لالچ یا روزگار کا لالچ یا سرکاری نوکری کا لالچ انسان کو ایمان بیچنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔

خوف

ظالم اور جابر حکمرانوں کا خوف بھی ارتداد کی ایک وجہ ہے۔ ہر دور میں کچھ کمزور دل لوگوں نے بادشاہوں کے ظلم سے بچنے کے لیے اپنا دین تیاگ دیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی حکومت کا خوف مسلمانوں میں ارتداد کا باعث ہے۔

ارتداد کی منظم کوششیں

ملک میں بعض تنظیمیں مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کی منصوبہ بند کوششیں کر رہی ہیں۔ اس میں خاص طور پر مسلمان لڑکیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

اختلاط مرد وزن کے مواقع

گمراہی اور ارتداد کی ایک وجہ ملک میں بڑھتی ہوئی بے حیائی اور فحاشی ہے۔ ہر طرف عیاشیوں کو دعوت دینے والے مناظر و مواقع ہیں۔ مخلوط نظام تعلیم ہے۔ دفاتر میں جوان لڑکے لڑکیوں کا ایک ساتھ کام کرنا ہے۔ ان مقامات پر لڑکے لڑکیاں آپس میں تعارف حاصل کرتی ہیں۔ امیر زادے حسین اور غریب لڑکیوں کو اپنے فریب کا شکار بنا لیتے ہیں۔ ان کو اچھی زندگی کا لالچ دے کر جنسی زیادتیاں کرتے ہیں۔ بعد میں بلیک میل کر کے بھی مذہب بدلوا لیتے ہیں۔

مسلمان لڑکوں کی بے روزگاری اور نا اہلی

مسلمان لڑکیوں میں ارتداد کی ایک وجہ یہ ہے کہ مسلمان لڑکے ان کے ہم پلہ تعلیم یافتہ نہیں۔ وہ برسر روزگار بھی کم ہیں۔ جب کہ ہندو لڑکے جو مسلم لڑکیوں کے ہم سبق و ہم مکتب ہیں وہ تعلیم میں ان سے آگے ہیں اور ان کا مستقبل روشن ہے۔ اس سے متاثر ہو کر مسلمان لڑکیاں مرتد ہو جاتی ہیں۔

خواتین کے حقوق کی پامالی

مسلمان اپنی خواتین کو وہ حقوق نہیں دیتے جو اسلام نے انھیں عطا کیے ہیں۔ آئے دن گالم گلوچ، مار پیٹ، طلاق وغیرہ کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ جہیز کا ناسور بھی مسلم معاشرہ میں پک رہا ہے، جب آج کل کی تعلیم یافتہ بچیاں یہ سب دیکھتی ہیں تو انھیں مسلم معاشرہ جہنم محسوس ہوتا ہے اور وہ اسلام سے نفرت کرنے لگتی ہیں۔ اس طرح بآسانی اور برضا و رغبت غیر مذہب قبول کر لیتی ہیں۔

حکومت کی سرپرستی

ایک بڑی وجہ ارتداد کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہونا ہے۔ اگر کوئی مسلم لڑکی یا لڑکا ہندو مذہب اختیار کرتا ہے تو حکومت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور انھیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔

اس صورت حال پر مسلمانوں کی تنظیمیں ان کے رہنما اور علماء وغیرہ فکر مند تو ہیں مگر اس کے تدارک کے ٹھوس اقدامات کا فقدان ہے۔ ایک صدی قبل علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''ایک مسلمان کا مرتد ہو جانا بھی مسلمانوں کے لیے ہلاکت کبریٰ ہے۔ آنے والے زمانے میں مسلم عورتوں کا ارتداد بہت مہلک ہوگا۔ معاذ اللہ معاذ

اللہ‘‘ ظاہر ہے ایک عورت کا ارتداد ایک خاندان کا ارتداد ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟

تدارک اور علاج

میری رائے ہے کہ مسلمان گھروں میں خواتین کو اسلامی حقوق دیے جائیں۔ پسند و ناپسند کا جو اختیار اللہ اور اس کے رسول نے انھیں دیا ہے وہ انھیں عطا کیا جائے۔ اسلامی تعلیم کے لیے شبینہ وصباحی اسکول قائم کیے جائیں اور اس میں صرف دینی تعلیم کے رسالے، بہار شریعت اور بہشتی زیور کی تعلیم پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ موجودہ زمانے کے چیلنجز کو سامنے رکھ کر اسلامی تعلیمات پر مبنی نصاب تعلیم ترتیب دیا جائے جس کو پڑھ کر مسلمان خواتین اور مسلمان مردوں کے عقائد مستحکم ہوں، ان کو عقلی طور پر اسلام پر اطمینان حاصل ہو۔ مخلوط نظام تعلیم سے بچانے کے لیے لڑکیوں کے اسکول اور کالج قائم کیے جائیں، مسلمانوں میں غربت کے ازالہ کے لیے نظام زکاۃ کو نبوی نہج پر منظم کیا جائے۔ ہر بستی میں مصلحین کی ایک جماعت بنائی جائے جو مسلمانوں کی معاشرت پر گہری نظر رکھے اور بوقت ضرورت افہام وتفہیم اور تدارک اسباب ارتداد کا کام انجام دے۔ مسلمان لڑکوں کو برسر روزگار کیا جائے۔ ان کی اخلاقی اور دینی تربیت کی جائے انھیں سماج اور ملک کے لیے خیر وفلاح کا ضامن بنایا جائے۔ اسی کے ساتھ ملک میں دعوتی کاموں کو منظم کیا جائے تاکہ ان لوگوں کو جہنم میں جانے سے روکا جائے جو خود بھی اس کی جانب دوڑے جارہے ہیں اور دوسروں کو بھی ہنکائے لے جارہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۱۴ کا

کھانا جب پیش کیا گیا تو اس میں لہسن و پیاز کی کثرت تھی، ہر چیز میں کچی پکی پیازیں ڈالی گئی تھیں، کھانے سے فراغت کے بعد بادشاہ کے دربار میں حاضری بھی دینی تھی، لہٰذا یہ مصاحب جب دربار میں حاضر ہوا تو ذرا دور بیٹھا، اور جب مجلس برخاست ہوئی تو بادشاہ سے کچھ دوری پر رہا، بادشاہ کو یاد آیا کہ فلاں نے اس کے بارے میں وہ بات کہی تھی، لہٰذا اس کو بلایا، بادشاہ کے قریب جب آیا تو اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا، تاکہ پیاز کی بو سے بادشاہ کو تکلیف نہ ہو، بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو اسے یقین ہوگیا کہ اس کے مصاحب نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ صحیح ہے، لہٰذا اس کو روک لیا اور اپنے ہاتھ سے ایک تحریر لکھ کر اس کے حوالے کیا اور کہا کہ کل وزیر اعظم کو پہونچا دینا، یہ شخص بہت خوش ہوا، اور یہ سمجھا کہ بادشاہ سلامت نے اس سے خوش ہوکر انعام واکرام سے نوازنے کے لیے یہ تحریر عطا کی ہے۔

دوسرا مصاحب جو بادشاہ کے دربار سے پہلے جاچکا تھا، وہ اس کے انتظار میں تھا، جب یہ دربار سے باہر آیا تو اس نے اس سے پوچھا کہ بادشاہ سلامت نے اسے کیوں روک رکھا تھا، اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت نے اُسے یہ تحریر دی ہے تاکہ وزیر اعظم سے انعام واکرام حاصل کروں، ان شاء اللہ وزیر اعظم کی خدمت میں کل حاضر ہوں گا، اس مصاحب نے اسے بہلا پھسلا کر وہ تحریر حاصل کرلی، تاکہ اسے خود وہ لے کر جائے اور اکرام و نوازش کا سزاوار ہو، وہ بہت خوش تھا، اس کے دوست نے اس کو بند لفافے میں وہ تحریر دیا، اس کے اصرار پر دیا تھا، سربمہر لفافہ وہ کھول بھی نہیں سکتا تھا، وہ تمناؤں اور آرزؤں کی حسین وادی میں کھویا ہوا تھا، اسے کیا پتہ تھا کہ تقدیر الٰہی کا اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہے،، صبح ہوتے ہی وزیر اعظم کے دربار میں حاضر ہوا اور وہ سربمہر لفافہ اس کی خدمت میں پیش کیا، وزیر اعظم نے اس لفافہ کو کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں یہ تحریر یہ کہ:

’’حامل رقعہ ہذا کو فوراً قتل کرکے اس کی کھال میں بھس بھر کر میرے پاس لایا جائے‘‘۔

وزیر اعظم نے وہ تحریر اسے سناتے ہوئے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کردیا جائے، وہ بہت چیخا چلایا، معذرت کی اور یہ بھی کہا کہ بادشاہ نے یہ تحریر میرے لیے نہیں بلکہ دوسرے مصاحب فلاں کے لیے لکھی ہے؛ لیکن وزیر اعظم نے اس کی کوئی بات نہ سنی اور اسے قتل کردیا گیا، اور بادشاہ کے سامنے اس کی لاش پیش کردی گئی۔ دوسرے دن وہ مصاحب حاضر ہوا تو بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا، اس نے واقعہ کے تعلق سے استفسار کیا تو اس نے سارا ماجرا بادشاہ کی خدمت میں عرض کردیا، بادشاہ نے سننے کے بعد ٹھنڈی سانس لی اور یہ کہنے لگا تم سچ کہتے ہو، تم اپنی ڈیوٹی پر واپس جاؤ، اس کو اس کے کرتوت کا بدلہ مل گیا، اسی کو کہتے ہیں: ’’چاہ کن راہ چاہ درپیش‘‘ یعنی کنواں کھودنے والا خود ہی اس میں گر جاتا ہے۔

اس سے ہر انسان کو سبق لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کے لیے موت وحیات، صحت و بیماری، عروج وزوال، رزق ومال کا تعین کردیا ہے، کسی سے حسد کرنا خود اپنے آپ کو نقصان کے لیے پیش کرنا ہے، اور ایک طرح سے گویا رب حکیم وعلیم کی قدرت و کائنات کی کارفرمائی اور اس کی نعمتوں کی تقسیم پر ناخوش ہونا ہے، أعاذنا اللّٰہ من ذلك.

☆☆☆☆☆

یادِ رفتگاں

آہ! مولانا ڈاکٹر عبدالجبار ندویؒ

ڈاکٹر محمد ہارون رشید ندوی

جناب مولانا عبدالجبار ندویؒ پیشہ سے ڈاکٹر تھے؛ لیکن دعوت کے کام سے جڑے ہوئے تھے، تیندوہ رائے بریلی میں ڈاکٹر عبدالجبار سے مراد مولانا عبدالجبار ندوی ہوتے تھے، ندوی وغیر ندوی اہل علم برادری سے بہت محبت کرتے تھے، ادھر کچھ عرصہ سے بیمار تھے، بیماری کے باوجود خدمت خلق کے جذبہ سے مطب پوری پابندی سے جاتے تھے، ماہ شعبان ۱۴۴۵ھ سے طبیعت کچھ زیادہ بگڑی اور بگڑتی ہی چلی گئی، مجبوراً چاروناچار رائے بریلی شہر کے ایک پرائیویٹ ہسپتال کا انتخاب کرنا پڑا، پرائیویٹ ہسپتال کے ڈاکٹروں نے مرض کو دیکھتے ہوئے ایڈمٹ کرلیا، اور آئی. سی. یو. میں داخل کرلیا: ''مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی''۔

ماہ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ میں ان کی علالت بذریعہ فیس بک معلوم ہوئی، فیس بک پر کسی نے آئی. سی. یو. کی فوٹو ڈالی، اور دعائے صحت کی درخواست کی گئی، اس فوٹو کو دیکھ کر تشویش پیدا ہوئی، ہر ملنے والے سے ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے، عید کے بعد گھر جانے پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کے گردے متاثر ہوچکے ہیں، اب ڈائیلیسس کی ضرورت ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے گھر والوں نے ڈائلیسس شروع کرادی، کئی مرتبہ ڈائیلیسس ہونے کے باوجود کوئی خاطر خواہ افاقہ نہ ہوا، بالآخر وقت موعود آن پہونچا، ۲۷ر شوال المکرّم ۱۴۴۵ھ مطابق ۳۰ر اپریل ۲۰۲۴ء سہ شنبہ کو جان جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون، وللہ ما أعطی و له ما أخذ۔

جہاں تک موت وزندگی کا تعلق ہے، یہ دونوں اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ کے حکم کے تابع ہیں: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ [سورہ ملک] جب سے دنیا وجود میں آئی، زندگی اور موت کا سلسلہ جاری ہے، جو بھی اس دارفانی میں آیا: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ [سورہ آل عمران] کے تحت ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، ایک نہ ایک دن موت کے دروازے سے مالک حقیقی کے پاس جانا ہے، یہ دنیا مومن کی عارضی قیام گاہ ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام [سورہ رحمٰن] اس عالم فانی میں ہر چیز کو فنا ہے، ہمیشگی صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات پاک کو ہے، اس کو کبھی زوال نہیں، وہ لازوال ہے، دنیا کی تمام چیزوں کو فنا کے گھاٹ اترنا ہے، بس کچھ دنوں تک جانے والے کا تذکرہ ہوتا ہے، پھر ختم ہوجاتا ہے، مگر کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں، جو خدمت خلق کے لیے اپنے کو وقف کردیتی ہیں، ان کی خدمات و قربانیاں عوام وخواص کے حلقوں میں مدتوں زندہ رہتی ہیں، ایسی ہی شخصیت جناب مولانا ڈاکٹر عبد الجبار ندویؒ کی تھی۔

مولانا مرحوم ایک کاشتکار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، آپ کی ولادت ۳ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو چھولامئو گاؤں، پوسٹ تنیرہ، ضلع رائے بریلی، (حال امیٹھی) میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام جناب حاجی گلاب تھا، یہ علاقہ قصبہ نصیر آباد، قاضی سید محمود حسنیؒ (وفات ۸۶۸ھ) کے خانوادہ سے منسلک رہا، جس کی وجہ سے لوگوں میں دینی شعور موجود تھا، چنانچہ جب ڈاکٹر صاحب کی عمر سن شعور کو پہونچی تو والد ماجد نے گاؤں سے قریب مکتب میں نام لکھوادیا، جو گھر سے تقریباً ایک کلومیٹر کی دوری پر پورے دوندی میں چلتا تھا، اس وقت یہی ایک مکتب تھا، جہاں ناظرہ وحفظ اور اردو کی تعلیم ہوتی تھی، اس کے سرپرست پردھان حاجی محمد طٰہٰ (ولادت: ۱۸۸۵ء-وفات: ۱۹۶۰ء) تھے، حاجی صاحب علماء وحفاظ کے بڑے قدرداں تھے، حاجی صاحب حضرت مولانا سید محمد امین حسنیؒ کے مقتدیوں میں سے تھے، رمضان میں تراویح حضرت کی ہی اقتداء میں پڑھتے تھے، اور علاقہ کے بچوں کی تعلیم کی فکر کی وجہ سے مدرسہ کے لیے مدرس تلاش کرکے لاتے، اپنے گھر پر رکھتے، اور ان کی خدمت کرنا سعادت سمجھتے تھے۔

اس وقت انھوں نے اچھے اساتذہ کا اہتمام کیا، جن میں جناب مولانا شہادت ندوی، جو علاقہ سے تین کلومیٹر کی دوری پر لشکری کے پوروے میں رہتے تھے، ان کو لائے، مولانا ندوی اردو، اخلاقیات ودیگر مضامین بڑی محنت سے پڑھاتے تھے، خاص طور پر اردو پڑھاتے وقت طلباء کو اچھے اشعار سنایا کرتے تھے، اور اردو کی طرف طلباء کو رغبت دلاتے تھے، اور اردو کا ذوق پیدا کرتے تھے، مولانا چند سال رہے، بڑی محنت ولگن کے ساتھ خدمت انجام دی، وہ اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے زیادہ دن تک خدمت انجام نہ دے سکے۔

جناب مولانا محمد شفیع مظاہری (ولادت ۱۲/۱۸ر ۱۹۵۰ء) سابق مہتمم وحال مدرس مدرسہ فلاح المسلمین اور ڈاکٹر عبدالجبارؒ نے ان سے بھرپور

استفادہ کیا، وہ فرماتے ہیں کہ مولانا شہادت ندوی ہم لوگوں کو اردو پڑھاتے وقت برمحل، برموقع و برجستہ اتنے اشعار سناتے تھے کہ ہم لوگوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق وولولہ پیدا ہوگیا۔

حفظ، ناظرہ قرآن پاک کے لیے جائس کے حافظ صاحب تھے، ان کا حفظ بہت پختہ تھا، آپ ان سے کہیں سے بھی اور کبھی بھی قرآن سن لیتے، بھولنے یا مشابہ لگنے کا نام نہ لیتے، چونکہ ان سے پڑھنے والے حضرات نے کم سنی میں ان سے ناظرہ پڑھا تھا، جس کی وجہ سے حافظ صاحب کا نام پورے طور پر یاد نہیں، بس اتنا یاد ہے کہ ان کو لوگ حافظ پہاڑہ کہتے تھے۔

حافظ صاحب بڑی محنت سے حفظ وناظرہ قرآن پاک پڑھاتے تھے، ان کی محنت سے اس ادارہ میں علاقے کے کئی علماء وحفاظ نے استفادہ کیا، چنانچہ ناظرہ ان سے پڑھنے والوں میں مولانا محمد شفیع مظاہری، اور ڈاکٹر عبدالجبار ندوی بھی ہیں، علاقے کے حفاظ جنھوں نے ان سے حفظ کیا، ان میں جناب حافظ منیرؒ چھولامئو، اور جناب حافظ مظفرؒ بھدہا، حافظ محمد ابراہیمؒ ولد پردھان عبدالستارؒ (ولادت ۱۹۱۰ء- وفات ۱۶/ اپریل ۱۹۸۶ء) پورے دوندی، حافظ محمد رسول صاحب پورے اسرہا، حافظ فرید گونگے کی باغ اور جناب حافظ محمد مصطفیٰ شیوہ کا پورہ شامل ہیں، ان کا یہی مکتب ۱۹۶۶ء میں گاؤں کی چہار دیواری سے نکل کر ریلوے لائن کے کنارے باغوں سے متصل مٹی کے ایک مکان میں منتقل ہوا، چونکہ ۱۹۴۸ء سے علاقے میں عوام کی اصلاح کے لیے ایک کمیٹی کام کررہی تھی، جس کا دائرہ کار مدرسہ کے مغرب میں نہر کی کوٹھی (گلاب شاہ کا پوروہ) سے لے کر مشرق میں موجودہ ضلع امیٹھی کے گوائیں گاؤں تک اور شمال میں ضلع بارہ بنکی دریا آباد سے لے کر جنوب میں کلو مصر کے پوروے تک کمیٹی کے افراد سنیچر واتوار کو سائیکل سے دورہ کرتے، جن میں جناب مسٹر محمد ایوبؒ پورے صوبے دار منور، حاجی محمد عثمان غنیؒ پورے گلاب شاہ، حاجی خورشیدؒ اشرف گڑھ، جگدیش پور، ماسٹر محمد رسول احمدؒ خاں (ولادت ۱۹۲۶ء- وفات ۱۹/۸/۲۰۲۱ء) پورے حاجی خوشحال وغیرہ کے علاوہ بڑی تعداد ممبران کی مختلف گاؤں کی تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۵/دسمبر ۱۹۱۳ء - وفات ۳۱/دسمبر ۱۹۹۹ء) کے تبلیغی دورہ سے تیندوے کے علاقے میں دعوت وتبلیغ کا تعارف ہوا، اور جماعتوں کے آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا، باہر آنے والی جماعتوں میں ایک جماعت سہارنپور علاقے سے آئی، جس میں حکیم عبدالمجیدؒ (ولادت ۱۳/اپریل ۱۹۲۳ء -وفات ۴/ مئی ۱۹۹۳ء) پتھر گڑھ سہارنپور، موجودہ سونی پت ہریانہ، امیر تھے، انھوں نے اس علاقہ کا دورہ کیا، اور دیکھا کہ دینی معلومات کی لوگوں میں کمی ہے، جس کی وجہ سے کچھ لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں، اور مکتب بھی ایک ہی ذمہ دار کے سپرد ہے، وہی سیاہ وسفید کا مالک ہے، چنانچہ وہ اپنا وقت (چلہ) پورا کرنے کے بعد تیندوہ علاقہ میں واپس آئے اور گاؤں مڑئی کے پوروہ کو اپنا مرکز بنایا، اور اس اصلاحی کمیٹی کے ساتھ مل کر محبت اور محنت کے ساتھ کام کیا، مکتب کی حالت دیکھ کر اصلاحی کمیٹی کے افراد کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی طرف متوجہ کیا، اور ان سب کی ملاقات کرائی، اور مکتب کی سرپرستی کی درخواست کی، حضرت نے اپنے آباء واجداد کے علاقے کی خدمت اور سرپرستی کو قبول فرمایا، اور مکتب گاؤں سے منتقل ہوکر ریلوے لائن کے پاس میدان میں لایا گیا، اور حضرت نے اس مکتب کا نام مدرسہ فلاح المسلمین رکھا، مورخہ ۲/ ستمبر ۱۹۶۶ء سے مدرسہ فلاح المسلین تیندوہ کے نام سے جانا پہچانا جانے لگا، اس کے لیے دارالعلوم کے فارغ مولانا عبدالباری ندوی (ولادت ۷/ جولائی ۱۹۴۲ء- وفات ۲۰/ اکتوبر ۱۹۹۷ء) کو اہتمام کے لیے متعین فرمایا، اور ان کو اس ادارہ کی ذمہ داری دی، اور اس ادارہ کی نظامت کے لیے حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی ندویؒ (ولادت ۲۵/دسمبر ۱۹۲۵ء- وفات ۲۵/فروری ۱۹۸۲ء) کا انتخاب فرمایا، مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے دل وجان سے اپنی عمر کے آخری لمحات تک خدمت انجام دی، اس کے بعد مفکر اسلام نے مولاناؒ کے برادر خورد حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ (ولادت ۲۰/ نومبر ۱۹۳۳ء- وفات ۱۶/جنوری ۲۰۱۹ء) کو ناظم مقرر فرمایا، مولانا ندوی اپنی آخری سانس تک اس ادارے کی خدمت انجام دیتے رہے، مفکر اسلام کے اس دار فانی سے رخصت ہونے کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنیؒ (ولادت ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۹ء- وفات ۲۴/ رمضان ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳/ اپریل ۲۰۲۳ء) سرپرست ہوئے، اور مولانا سید واضح رشید ندویؒ کے انتقال کے بعد مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ (ولادت ۱۵/دسمبر ۱۹۵۰- وفات ۷/اپریل ۲۰۲۱ء مطابق ۲۷/ رمضان ۱۴۴۲ھ) کو ناظم مقرر کیا گیا، ان کے انتقال کے بعد مولانا سید مولانا واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق وفائق فرزند ناظر عام ندوۃ العلماء مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

دامت برکاتہم (ولادت ۱۳/۹/۱۹۶۰ء) کے کاندھوں پر مدرسہ فلاح المسلمین کی نظامت کی ذمہ داری مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالا، اس ذمہ داری کو آج بھی بحسن خوبی ادا فرما رہے ہیں، اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور ان کا سایہ پوری امت پر باقی رکھے۔

ابتدا میں مولانا عبدالباری ندویؒ، پردھان عبدالستار کے دولت خانے پر قیام فرماتے تھے، کچھ دنوں کے بعد جب وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ آئے تو مدرسہ کی کچی عمارت میں قیام کیا، اور وہیں مستقل رہنے لگے، مولانا عبدالباری ندویؒ کی آمد کے چند ماہ بعد مولانا محمد شفیع مظاہری مدظلہ کا تقرر ہوا، وہ بحیثیت صدر مدرس کافی زمانے تک خدمت انجام دیتے رہے، مولانا عبدالباری ندوی کے انتقال کے بعد حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی نے مولانا محمد شفیع مظاہری کو ان کے انکار کے باوجود مہتمم بنایا، کچھ دنوں تک اہتمام کرنے کے بعد اہتمام سے معذرت کردی، اور کہا کہ ایک عام استاذ کی حیثیت سے خدمت انجام دیتا رہوں گا، الحمدللہ آج بھی اخلاص کے ساتھ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جناب ڈاکٹر عبدالجبار ندویؒ نے ناظرہ قرآن پاک واردو پڑھنے کے بعد سگونا، تینڈوہ رائے بریلی میں پرائمری تعلیم حاصل کی، مڈل اسکول فرصت گنج میں ساتویں درجہ تک تعلیم حاصل کی۔

چونکہ علاقہ میں اعلیٰ تعلیم کا کوئی مرکز نہ تھا، حضرت مولانا سید محمد امین حسنیؒ (ولادت ۱۲۷۵ھ- وفات ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء) بڑے محدث وفقیہ تھے، ان کے پاس دورۂ حدیث کے طلباء یا اصول حدیث وفقہ کے طلباء استفادہ کے لیے آتے تھے، نیچے درجات کی تعلیم کا کوئی نظم نہ تھا، مولانا سید محمد امین حسنیؒ کا انتقال ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں ہوگیا، اب نصیر آباد میں اعلیٰ تعلیم کا کوئی مرکز باقی نہ رہا، صرف مسجدوں میں کچھ حفاظ اپنے طور پر ناظرہ قرآن پاک وحفظ کی تعلیم دیتے تھے، انھیں میں سے قاضی سید فضل الرحمن حسنیؒ بھی تھے، جو اپنی مسجد میں ناظرہ وغیرہ پڑھاتے تھے، حضرت مولانا سید محمد امین حسنیؒ کے منجھلے بھائی جناب حافظ عبدالستار جو انگریزی حکومت میں ڈپٹی کے عہدہ پر فائز تھے، کچھ دن جالون میں اور کچھ دن الہ آباد میں اور بھی دیگر جگہوں پر ڈپٹی رہے، پھر نصیر آباد آکر کورٹ کی عمارت بنوائی، جو آج بھی ڈپٹی صاحب کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے، ان کے انتقال کے کچھ دنوں بعد ایک مدرسہ مدینۃ العلوم کے نام کوٹھی پر قائم کیا؛ لیکن اس میں بھی حفظ وناظرہ سے آگے کی تعلیم نہ تھی، جس کی وجہ سے زیادہ کامیاب نہ رہا، کچھ دنوں کے لئے جناب مولانا محمد شفیع مظاہری اور جناب مولانا عبدالجبار ندویؒ اس میں بھی پڑھنے گئے؛ لیکن فارسی واردو کی زیادہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے، مولانا محمد شفیع مظاہری ومولانا عبدالجبار ندوی کی عمر کوئی ۱۱-۱۲ ربرس کی ہوئی ہوگی کہ اسی دوران مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا تبلیغی دورہ جائس ہوتے ہوئے چھولامئو کا ہوا، مفکر اسلام کے ساتھ جائس والوں نے عجیب وغریب معاملہ کیا، وہاں حضرت مفکر اسلام سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو ٹھہرنے نہیں دیا گیا، بلکہ پورے قصبہ میں اعلان کرادیا گیا کہ جو شخص کھانا پانی دے گا، اس کا بائیکاٹ کیا جائے گا، جولائی کا مہینہ تھا، اور رمضان المبارک کے ایام چل رہے تھے، بالآخر مفکر اسلام نے باغ میں پناہ لی، جمعرات کا دن تھا، یہ وہی جائس ہے کہ جہاں مفکر اسلامؒ کے اجداد نے منصب قضاء پر فائز ہوکر قیام کیا، جن کا نام نامی قاضی سید قطب الدین محمد ثانی حسنیؒ اور سید علاء حسنیؒ تھا، قضا کے منصب پر فائز رہے، اور جامع مسجد کے قریب اپنا مسکن بنایا، جو بعد میں قاضی صاحب کی طرف منسوب ہوکر محلہ قضیانہ پڑا، قاضی سید قطب الدین محمد ثانی حسنیؒ اور ان کی اہلیہ کی قبریں جائس کے محلۂ انصاریان میں موجود ہیں، اور ابھی آخر میں تین دہائی قبل ۱۹۳۰ تک حضرت مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ اسی جائس کی جامع مسجد میں خطاب فرمایا کرتے تھے، آج انہی کے خانوادہ کے عالم کو جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیا جارہا ہے، بالآخر باغ میں کسی طرح رات گزاری، صبح ہوئی، حضرت مفکر اسلام نے جامع مسجد میں خطاب کی اجازت چاہی تو لوگوں نے جامع مسجد کے بجائے دوسری چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت دی، حضرت نے جمعہ ادا کرنے کے بعد خطاب فرمایا پھر شیوہ کا پورہ ہوتے ہوئے چھولامئو پہونچے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ

مولانا عبدالجبار ندوی ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے، عربی اول میں داخلہ ہوا، ان کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم کا موقع دیا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دارالعلوم سے عالمیت سے ۱۹۶۷ء میں مکمل کی، اس دوران حالات بھی آئے، بڑی عسرت سے اس مرحلہ کو طے کیا، دوران تعلیم اپنے اساتذہ کی خدمت اور ان سے گہرا تعلق رہا، خاص طور پر مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ سے رہا، تعلیم مکمل ہونے کے بعد مرشد الامت کے پاس اسلامیہ کالج فیروز آباد کے مینیجر نے کالج کے لیے کسی ندوی استاذ کا مطالبہ کیا، حضرت کی نظر انتخاب مولانا ڈاکٹر عبدالجبار ندویؒ پر

پڑی، چنانچہ مرشد الامت کے حکم سے تدریس کے لیے فیروز آباد چلے گئے، کچھ دنوں تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے؛ لیکن وہاں کی آب وہوا، اور ماحول راس نہ آیا، چند مہینوں کے بعد واپس آ گئے۔

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے واپسی کے بعد ڈاکٹر صاحب کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دفتر "الرائد" میں بحیثیت ملازم منتخب کیا، ایک مدت تک "الرائد" میں حضرت مولاناؒ کی سرپرستی میں خدمت انجام دیتے رہے۔

تکمیل الطب طبیہ کالج لکھنؤ میں داخلہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں سینئر جونیئر کا بڑا لحاظ تھا، سینئر طلباء جونیئر طلباء کی پوری سرپرستی فرماتے تھے، جیسا کہ حدیث میں من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا ہے، چنانچہ مولانا عبدالجبار ندویؒ کے سینئر ساتھی مولانا ڈاکٹر امام الدین ندوی بارہ بنکوی (ولادت ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴- وفات ۱۲/۶/۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷/۷/۲۰۲۰ء) جو مولانا محمد شفیع مظاہری سابق مہتمم وموجودہ استاذ مدرسہ فلاح المسلمین اور مولانا عبدالقادر ندوی گجراتی (ولادت ۱۷/ جولائی ۱۹۴۴ء) نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، کے ہم درس تھے، انھوں نے ایک سال قبل طبیہ کالج میں علم طب حاصل کرنے کے لیے اپنا داخلہ فارم بھرا؛ لیکن ان کا اس سال داخلہ نہ ہوسکا، تو دوسرے سال اپنا فارم طبیہ کالج الہ آباد سے بھرا، اور مولانا عبدالجبار ندویؒ کا تکمیل الطب طبیہ کالج لکھنؤ سے فارم بھرا، (دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغین طلباء کا داخلہ ملک کے مختلف طبیہ کالجوں میں بسہولت ہوجایا کرتا تھا) مولانا امام الدین کے داخلہ کی منظوری الہ آباد طبیہ کالج سے آئی، اور مولانا عبدالجبار صاحب کی منظوری تکمیل الطب طبیہ کالج لکھنؤ سے ہوئی، مولانا عبدالجبار ندویؒ اپنے طبیہ کالج میں داخلہ کے سلسلہ میں کافی دنوں تک پس وپیش میں رہے، داخلہ لیں یا ترک کردیں، کیونکہ دارالعلوم میں وہ ملازمت کررہے تھے، اور غور وفکر کے بعد اور بعض ساتھیوں کے اصرار پر طبیہ کالج میں داخلہ مکمل کرالیا، اور "الرائد" سے الگ ہوگئے، ڈاکٹر صاحب نے راقم کو انتقال سے ایک سال قبل کچھ سوالات کے جواب میں حالات زندگی کے بارے میں موبائل پر گفتگو کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ دارالعلوم سے بلا اطلاع وبلا مشورہ حضرت الاستاذ مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ طبیہ کالج چلے گئے، اب مولانا کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اگر مرکز یا امین آباد جانا ہوتا تو کوشش ہوتی کہ حضرت الاستاذ کی نظر مجھ پر نہ پڑے، ایک سال گزرنے کے بعد مرکز میں اچانک آمنا سامنا ہوگیا، میں بہت شرمایا؛ لیکن استاذ نے محبت بھرے لہجے میں فرمایا کہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، کوئی بات نہیں؛ لیکن اساتذہ ومتعلقین سے ملاقات کرنا چھوڑنا اچھی بات نہیں، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا مولانا کی اس بات سے میں بہت شرمندہ ہوا، اور قابل تعجب بات یہ ہے کہ میرے بڑے محسن ہونے کے باوجود ذرا سی بھی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، اس کے بعد امین آباد حضرت سے ملاقات کے لیے وقتاً فوقتاً جانے لگا، حضرت ویسا ہی شفقت کا معاملہ فرماتے، جس طرح دارالعلوم کے قیام کے زمانے میں فرماتے تھے، یہ حضرت کی اعلیٰ ظرفی تھی:

"ورنہ میں کہاں اور کہاں یہ نکہت گل"

طبیہ کالج لکھنؤ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا ڈاکٹر عبدالجبار ندوی نے سلطان پور کے سرکاری اسپتال میں چھ مہینہ ہاؤس جاب کیا، اس کے بعد کچھ دن گھر پر رہے، دوران تعلیم مرکز تبلیغ اور اپنے اساتذہ سے ہمیشہ تعلق باقی رکھا، اور دینی مزاج رہنے کی وجہ سے دینی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا۔

طبابت کی تکمیل کے بعد باقاعدہ ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کیا، باقاعدہ مطب کے لیے محلّہ کہاروں کا اڈہ، اندرون شہر رائے بریلی کا انتخاب کیا، ابتدا میں راقم کے بڑے بھائی حاجی محمد اسمعیلؒ کے ساتھ کہاروں کے اڈہ کے چوراہے پر کرائے کے کمرہ میں رہتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالجبار ندویؒ کے مطب میں آغاز میں کچھ بھٹکے ہوئے مریض آجایا کرتے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفاء رکھی تھی، کچھ ہی مدت کے بعد مریضوں کا ازدحام لگنے لگا، دور دور سے لوگ ان کے پاس علاج کے لیے آنے لگے، صبح سے شام تک مریضوں کی لائن لگنے لگی، ان کے آس پاس کے محلوں کے ڈاکٹروں کے مطب خالی رہنے لگے، یہ سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا۔

ڈاکٹر صاحب کی اچانک طبیعت بگڑی، ذہنی الجھن شروع ہوگئی، اور مطب چھوڑ کر نکل گئے، الجھن اتنی بڑھی کہ بے خودی طاری ہونے لگی، اس بے خودی میں مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رات میں نکل گئے، اتفاق سے ان کے بھانجے مولانا محمد منیر ندوی وہاں زیر تعلیم تھے، ان کو پھٹے کپڑے اور بے کیفی کی حالت میں دیکھ کر اپنے پاس رات بھر ٹھہرایا، صبح کو سائیکل پر بٹھا کر ڈاکٹر صاحب کو ان کے گھر چھولا مئو پہونچا دیا۔

مولانا محمد احمد پھولپوری کی خدمت میں

ڈاکٹر صاحب کی اس کیفیت کو گھر والوں نے

دیکھنے کے بعد دماغ کے ڈاکٹروں سے رابطہ کیا، علاج شروع ہوا؛ لیکن اس سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نظر نہ آیا، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی اور دیگر علماء سے مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ مولانا محمد احمد پھولپوری کی خدمت میں لے جایا جائے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو پھولپوری کی خدمت میں الہ آباد لے جایا گیا، جہاں وہ مقیم تھے، حضرت پھولپوری کے روحانی علاج سے شفایاب ہوئے۔

شفایابی کے بعد دعوت وتبلیغ میں لگ گئے، لوگوں نے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مطب کرنے پر اصرار کیا، چنانچہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے گھر پر مطب شروع کیا، کچھ دنوں کے بعد گھر سے دو کلومیٹر دور فرصت گنج میں زمین لے کر باقاعدہ مطب کھول دیا، لوگوں کی خدمت کرتے رہے، دوران کلینک مرکز تبلیغ سے اپنے کو جوڑے رکھا، اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے یہاں تکیہ کلاں میدانپور رائے بریلی آنا جانا آخری وقت تک قائم رکھا، غرض علمی و دینی شخصیات سے اور اہل اللہ سے خاص عقیدت ومحبت رکھتے تھے، وقت نکال کر ملاقات کی کوشش کرتے اور فرماتے:

أحب الصالحين ولست منهم
لعل اللّٰه يرزقني صلاحاً

ڈاکٹر عبدالجبار ندویؒ کے درسی ساتھیوں کی تعداد تقریباً تیس تھی، ان میں سے ہر ساتھی نے دینی دعوتی وادارتی کاموں کو بحسن خوبی انجام دے کر سماج ومعاشرہ میں اپنی ایک شناخت چھوڑی۔ مثلاً حضرت مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ ڈاکٹر صاحب کے رفیق درس تھے، مولانا کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، مولانا نے ندوۃ العلماء میں کئی دہائیوں تک بحیثیت ناظر عام ونائب ناظم خدمت انجام دی، اور ماہنامہ ''رضوان'' (خواتین کا رسالہ) کے ایڈیٹر اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور مدرسہ عائشہ للبنات کے بانی اور کئی اداروں کے بانی وناظم رہے، خاص طور پر مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر تیندوا، اور مدرسہ اصلاح المسلمین کی خدمت کے لیے اپنے کو وقف کر رکھا تھا، ہر طرح کے مسائل کو حل کرنا حسبۃً للہ انجام دیتے رہے، بلکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء یا کسی بھی ادارہ سے منسلک ہوئے تو بلا معاوضہ صرف حسبۃ للہ خدمت انجام دیتے رہے، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیر میں اللہ کے حضور حاضر ہوئے، مولانا محمد غزالی بن ابوبکر خطیبی ندوی (ولادت ۱۴۳۹/۹/۲۳ھ - وفات ۲۰۱۸/۷/۸ء) بھی ان کے رفیق درس تھے، جنھوں نے دم آخر تک اپنے کو مرکز نظام الدین کے حوالے کر رکھا تھا، بڑی بے نفسی کے ساتھ معمولی سے کمرہ میں بے نام ونمود خدمت انجام دیتے ہوئے رمضان المبارک میں اللہ کی قضاء و قدر پر لبیک کہا، جناب مولانا قاضی محمد اقبال ملا بن حسین ملا بھٹکلی (وفات ۱۵/۷/ ۲۰۲۰ء) بحیثیت قاضی ایک عرصہ تک خدمت انجام دیتے رہے، مولانا محمد صادق اکرمی بھٹکلی جو کہ شاہ ابرار الحق حقیؒ کے خلیفہ ہیں، جن کا بھٹکل میں ایک مقام ومرتبہ ہے، اور مولانا ڈاکٹر عبدالسلام جونپوری، مولانا ابوبکر سورتی، مولانا محمد عمر ٹونکی، مولانا محمد حسان بن مولانا محمد منظور نعمانیؒ صاحب توضیحی ترجمہ قرآن ومکتبہ الفرقان کے مینیجر ان کے ساتھیوں میں شامل ہیں، مولانا محمد علی بن عبدالکریم نیپالی (ولادت ۱۹۴۶ء) جنھوں نے مدرسہ نورالاسلام سے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور ۱۹۶۷ء میں فارغ ہو کر اپنی درسگاہ واپس جا کر مدرسہ کو ترقی دی، اس کو دارالعلوم تک پہونچایا، اب دارالعلوم نورالاسلام جلپاپور ہوگیا، ندوی فکر کو عام کیا، اور تقریباً ۵۸/سالوں سے خدمت انجام دے رہے ہیں، اب مذکورہ ادارہ میں عالیہ رابعہ تک تعلیم ہو رہی ہے، جس کے موجودہ مہتمم مولانا عبدالستار راقم کے ہم درس ہیں، غرض کہ نیپال میں جو بہار آئی ہوئی ہے، انہی کی پود لگائی ہوئی ہے، یوں تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھیوں کے علمی کمالات تذکرہ کے لیے دفتر چاہیے، چند ساتھیوں کے ذکر وتعارف کو کافی سمجھتا ہوں۔

مولانا ڈاکٹر عبدالجبار منکسر المزاج تھے، ان کی طبعیت باغ وبہار، مرنجا مرنج تھی، اور خورد نوازی بھی بہت تھی، ان سے ملاقات کرنے والا ان سے بہت جلد مانوس ہوجاتا تھا، ملنے والے کو یہ اندازہ نہ ہوتا کہ وہ کسی بڑی شخصیت سے مل رہا ہے، راقم کی جب بھی ملاقات ہوتی، پہلے دارالعلوم کی خبر، اور اساتذہ کی خیریت اور پھر میرے والدؒ اور گھر والوں کے حالات وکوائف معلوم کرتے، اور مسکراتے رہتے، اور دعائیں دیتے رہتے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ پانچ بیٹیاں، دو بیٹے، ایک بیٹے مولانا عبدالعلیم ندوی ہیں، جن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی تمنا تھی کہ دینی ودعوتی کام میں لگ کر دین کی خدمت کریں؛ لیکن حالات کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

رحمت عالمؐ

حضورؐ کا غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

محمد ارمغان بدایونی ندوی

انسانیت نوازی، بندہ پروری، ایثار، خیرخواہی، کرم گستری، رحمت ومودت، عفو و درگزر، بلاشبہ یہ تمام اوصافِ حمیدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے جلی عنوان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وہ جامعیت ہے جس کی بنیاد پر آپ کی مکمل زندگی پوری انسانیت کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہے اور اس میں اخلاق و کردار کی ایسی بلندیاں موجود ہیں جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ ''اعلیٰ اخلاق کی تکمیل'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، ارشاد مبارک ہے: ''إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ'' (بلاشبہ مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا امتیاز یہ ہے کہ آپ کے حسن اخلاق اور رحم وکرم کا دائرہ محدود نہ تھا، اس سے انسانیت کا صرف وہی طبقہ محظوظ ہونے کا حق دار نہ تھا جو ان پر سو جان سے نثار ہو، بلکہ رحمت عالم کی رحمت، شفقت اور حسن سلوک کا شامیانہ بڑا وسیع تھا، اس میں اہل ایمان کے لیے بھی جگہ تھی اور کفار و مشرکین ومعاندین اور منافقین کے لیے بھی کشادگی تھی۔ ساقی کوثر کا فیض ان پر بھی عام تھا جنہوں نے ان کا دانہ پانی بند کیا۔ محبوب دوعالم کا نرم دل ان کے لیے بھی مہربان تھا جنہوں نے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ شافع محشر کا جذبۂ ہمدردی اس کے لیے بھی روا تھا جس نے گالیاں دیں اور کھانے میں زہر پیش کیا۔ فاتح مکہ کا دامن عفو وکرم اس کے لیے بھی باران رحمت کی طرح سایہ فگن تھا، جس نے ایذا رسانی کی ہر حد کو پار کرلیا تھا۔

بلاشبہ یہ اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا امتیاز ہے کہ قرآن مجید میں آپ کو جن اوصاف سے متصف کیا گیا' آپ کے مبارک عمل نے ان اوصاف کو غیر معمولی وقار بخشا۔ ''عبد'' ایسے کہ عبدیت آپ پر ناز کرے، ''بشیر ونذیر'' ایسے کہ آغاز وحی کے پہلے دن سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک اسی فریضہ کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف، جس کی آخری مثال وہ وحی ربانی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ خدارا! اپنی جان کو ان لوگوں کے پیچھے ہلکان مت کیجیے جو آپ کی بات نہیں مانتے ہیں، ''خلیق ورحیم'' ایسے کہ خون کی پیاسی قوم کو قبائیں دیں اور گالیاں سن کر بھی دعائیں دیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ہے جس نے ''رحمۃ للعالمین'' کے حقیقی مفہوم سے دنیا کو عملاً آشنا کیا، دنیا کے سامنے اعلیٰ انسانی اقدار کی تشریح کی اور انسانی بنیادوں پر رشتوں کو مضبوط اور استوار کیا۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن کو دیکھ کر بعض اوقات آدمی محو حیرت رہ جائے کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا آخری درجہ کا حسن سلوک کرنے والا بھی ہوسکتا ہے۔ اپنوں کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی وایثار کی مثالیں ملنا عام بات ہے؛ لیکن جانی دشمنوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنا یقیناً کمالِ انسانیت کی روشن دلیل ہے۔

سیرت میں ایسے ایسے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مرتبہ کوئی شخص (نعوذ باللہ) قتل کے ارادہ سے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع بھی ہوگئی؛ لیکن آپ نے اس کو اقبال جرم کے بعد بغیر کسی سزا کے معاف کردیا اور اس کے ساتھ سلوک بھی کیا۔ طائف کے بازار میں انسانیت کس قدر شرمسار ہوئی؛ لیکن رحمت دوعالم کی زبان مبارک سے بد دلی کا کوئی ایک جملہ بھی نہ نکلا۔ اس سے بڑھ کر غیروں کے ساتھ انسانیت نواز سلوک کی مثال اور کیا ہوگی کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر کھانے میں زہر ملانے والی یہودی عورت کے اقرار جرم کرنے کے باوجود محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کردیا۔ آخری درجہ کی بات تو یہ ہے کہ میدان جنگ میں جب کہ موت وبقا کا فیصلہ کن معرکہ بپا ہو' مگر اس موقع پر بھی ساقی کوثر کو یہ گوارا نہ ہو کہ پانی کے چشموں پر مسلمانوں کے قبضے کی وجہ سے خدا کے وہ باغی بندے پیاس سے تڑپیں جو بہر حال انسان ہیں۔ علاوہ ازیں فتح مکہ کا واقعہ تو انسانی تاریخ کی ایک بے نظیر مثال ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں کے ساتھ عفو ودرگزر کی ایک ایسی مثال قائم کردی جس کا عشر عشیر بھی کوئی مذہب اور رہنما پیش نہیں کرسکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی ایسی جاذب نظر اور نرم ومہربان تھی کہ مذہبی بنیاد پر تمام تر اختلافات اور جنگ وجدال کا سلسلہ چلنے کے باوجود بھی پورا عرب سماج انسانی بنیادوں پر آپ کو یقیناً ایک ''مثالی شخصیت'' یقین کرتا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وکرم، عفوودرگزر اور حسن سلوک جیسے اعلیٰ اوصاف پر اپنے سرداروں حتی کہ خود اپنی ذات سے بھی زیادہ یقین تھا، اسی لیے تمام رنجشوں اور عداوتوں کے باوجود آپ کے ''صادق'' و''امین'' اور ''حلیم'' و''کریم'' ہونے میں کسی کو ذرا بھی شبہ نہ تھا اور نہ ہی کوئی اس کا کھلے بندوں انکار کرتا نظر آتا تھا، تاہم ہرقل کے دربار میں ان کے سردار ابوسفیان ان خصائل حمیدہ کا اعتراف واقرار کرتے ضرور نظر آتے ہیں۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شخصیت کا کمال ہے کہ جن لوگوں نے ہمیشہ مکر وفریب، ایذا رسانی اور قتال کو اپنا شیوہ بنایا، آپ نے ان کے لیے ہمیشہ اپنے دروازے کھلے رکھے، ان سے معاہدے بھی کیے، ان کے ساتھ زراعت میں شرکت بھی کی، ان کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا بھی تناول کیا، ان پر اعتماد بھی کیا، ان سے معاملات بھی کیے، ان سے خرید وفروخت بھی کی اور ان کے حق جوار کا بھی لحاظ رکھا۔ مزید برآں یہ کہ ان کی کڑوی کسیلی بھی سنی، مگر غیر معمولی تحمل کا مظاہرہ کیا۔

زید بن سعنہ کا واقعہ مشہور ہے جنہوں نے دربار رسالت میں آکر اپنے قرض کا سخت لہجہ میں مطالبہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مسکراتے لہجہ اور نرم انداز میں اس کا جواب عنایت فرمایا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے، جب وہ غصہ ہوئے تو آپ نے انہیں بھی نرمی کی ہدایت کی۔

سچی بات یہ ہے کہ پوری سیرتِ طیبہ انسانیت نوازی اور انسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کے ساتھ اکرام واحترام کی اعلیٰ مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وبیگانے، امیر وغریب اور شاہ وگدا کے ساتھ انسانی بنیادوں پر جو سلوک کیا ہے، وہ بجائے خود پوری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ اگر دربارِ رسالت میں کوئی آدمی آکر خلافِ مزاج بات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کبھی گرفت نہ فرماتے، بلکہ سختی کا جواب نرمی سے دیتے۔ اگر آپ کے سامنے سے کسی کا جنازہ گزرتا تو آپ احترام آدمیت میں کھڑا ہونا پسند فرماتے۔ اگر آپ کسی بھی شخص کو پریشانی میں مبتلا دیکھتے تو اس کے درد کو محسوس کرتے اور بعض اوقات تڑپ جاتے۔ بلاشبہ غیروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام انسانیت کی یہ بھی ایک کھلی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بادشاہوں اور امراء کو دعوتی خطوط ارسال کیے، تو ان کے لیے وہ موزوں القاب بھی استعمال کیے جو ان کی شخصیت کے شایان شان ہوسکتے تھے۔

انسانی بنیادوں پر بلا تفریق مذہب وملت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ دلی، اعلیٰ ظرفی اور انسانیت دوستی کا ثبوت وہ روایت بھی ہے جسے بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں قبیلہ اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف کے یہاں قیام فرمایا، جس کے سردار کا نام کلثوم بن ہرم تھا اور ان کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ: ''وَکَانَ یَوْمَئِذٍ مُشْرِکاً'' (اور وہ اس وقت تک مشرک تھے)۔ [اخبار المدینہ:۱۷]

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلاً قیام انہی کے یہاں تھا، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں زائرین کی آمد ورفت کے سبب حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مکان میں تشریف لے جاتے تھے، جو کنوارے تھے اور ابھی تک ان کا مکان غیر آباد تھا۔ غور کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مشرکین کی ایذا رسانی سے تنگ آکر ہجرت فرمائی؛ لیکن مدینہ آکر قبا کے قیام میں جہاں سکونت اختیار کی، وہاں انسانیت دوستی کی مثال قائم کردی، شاید اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسے موقع پر اسے مہمان نوازی کا شرف تو کیا حاصل ہوتا؛ بلکہ اس کے لیے مزید عرصۂ حیات تنگ ہوجاتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ مذہبی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متصلب نہ تھا، تاہم یہ بھی آپ ہی کی جامعیت تھی کہ آپ نے کانٹے بچھانے والوں کی راہ میں پھول بچھائے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ مکہ کے کفار ومشرکین نے آپ کو ایذا پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ذاتی ضروریات کا بڑا لحاظ رہتا تھا، آخری درجہ کی بات تو یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے اور بعض اوقات جنگ کی نوبت بھی پیش آئی، مگر اس کے باوجود غیروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق سے ذرا بھی تنازل گوارا نہ فرمایا۔ ایک

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے ایک صحابی کے ہاتھ ابوسفیان کے پاس کچھ مال اور قیمتی ہدایا بھیجے تاکہ وہ مکہ کے ضرورت مندوں میں تقسیم کردیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جب میں وہ مال لے کر ابوسفیان کے یہاں پہنچا تو وہ خود دنگ رہ گئے اور بے اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ:

"إِنَّا نُجَاهِدُهُ وَنَطْلُبُ دَمَهُ وَهُوَ يَبْعَثُ إِلَيْنَا بِالصِّلَاتِ يَبَرُّنَا بِهَا." [کنز العمال: ۲۵۵۸۰] (ہم تو اس سے جنگ کرتے ہیں اور اس کے خون کے پیاسے ہیں، مگر وہ ہمیں ہدایا بھیجتا ہے اور ہمارے ساتھ سلوک کرتا ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق وکردار کے ذریعہ انسانیت نوازی کی جو بنیادیں دنیائے انسانیت کو فراہم کی ہیں، ان کے اندر ایسی طاقت ہے کہ وہ دشمن کو دوست بنادیں اور انسانیت کے تن مردہ میں روح پھونک دیں، دنیا آج جس امن وآشتی اور محبت واخوت کی پیاسی ہے اور وہ ان کا حل جن مصنوعی اور عارضی وسائل میں تلاش کررہی ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس کے درد کا مداوا اور اس کے زخم کا مرہم انسانیت کی اسی مسیحائی میں ہے جس کی صدا آج سے چودہ سو برس قبل محسن انسانیت نے فاران کی چوٹیوں سے لگائی تھی۔ ضرورت ہے کہ سیرتِ طیبہ کے اس پہلو کو خوب اجاگر کیا جائے اور پورے عالم انسانیت کو یہ باور کرایا جائے کہ محسن انسانیت کی صدائے انسانیت پر لبیک کہنا ہی اس کے تمام مسائل کا بنیادی اور واحد حل ہے۔

☆☆☆☆☆

لباسِ زندگی کا انتخاب

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

دین واخلاق کی بنیاد پر بہو اور داماد کا انتخاب کریں، اگر گھر میں دین دار بہو آئے گی، اسلامی اخلاق کا حامل داماد آئے گا تو گھر میں دین کا چلن پیدا ہوگا، محبت کی فضا قائم ہوگی، نماز روزہ کا معمول بنے گا، ٹی وی کے گانوں کے بجائے تلاوت قرآن کی آوازیں گونجیں گی، اور ان شاء اللہ پورا گھر جنت نشاں بن جائے گا، ورنہ یہ تو ممکن ہے کہ ظاہری اسباب آرائش گھر میں آجائیں؛ لیکن دین رخصت ہوجائے گا، زندگی ایثار ومحبت کے بجائے باہمی کدورت اور خود غرضی پر مبنی ہوگی اور بوڑھے ماں باپ ایک بوجھ بن جائیں گے، اس کی مثالیں آج سماج میں کسی کی تلاش کے بغیر مل سکتی ہیں۔

☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی کی پیش کش

تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

بقلم: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

شیخ الاسلامؒ کی حیات وخدمات، قوم وملک کے لیے ان کے مجاہدانہ کارنامے، امت کی دینی وسیاسی رہنمائی اور ان کے علمی ورحانی مقام ومرتبہ کا ایمان افروز تذکرہ۔

صفحات: 160 قیمت: Rs.130

ایک عشرہ سئی کی وادی میں

بقلم: پروفیسر رشید کوثر فاروقی

معروف ادیب ونقاد پروفیسر رشید کوثر فاروقی کی زندگی کے ان دس دنوں کی داستاں جو انھوں نے دائرہ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت میں گذارے تھے، دس دن کی محدود رفاقت، مفکر اسلام کے شب وروز کے مشاہدے اور ذاتی تجربات واحساسات کا ایک حسین ودلکش بیانیہ! عام قارئین کے لیے علمی وادبی سوغات! صفحات: 120 قیمت: Rs.100

سید احمد شہید اکیڈمی دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی
رابطہ: 9919331295

عالم اسلام

تحریک حماس اور ایک عظیم دینی رہنما

عبدالنور عبدالباری فکردے ندوی

’’واللہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں ایک ایسا انسان ہوں جو اپنی زندگی جی چکا ہے، اِس بندے کی صرف ایک تمنا ہے، صرف ایک خواہش کہ اللہ اِس سے راضی ہوجائے، اُس مالک کی رضا اُس کی اطاعت میں مضمر ہے اور اُس کے کلمے کی سربلندی اور زمین کو دشمنانِ خدا کے فساد سے پاک کرنے کے لیے جہاد اُس کی اطاعت ہے۔

چنانچہ ہدف یہ ہوا کہ مسلم سرزمین قبضے سے پاک ہوجائے اور اس پر اسلامی نظام قائم ہوجائے، یہی وہ تمنا ہے جس کے لیے میں کوشاں ہوں اور میری آرزو ہے کہ یہی جدوجہد کرتے ہوئے میں اللہ سے جا ملوں، اگر زندگی میں ہی ہدف حاصل ہوگیا تو یہ اس کا فضل واحسان ہوگا اور اگر اس سے پہلے موت آگئی تو قافلہ سوئے منزل رواں دواں ہے اور منزل واضح ہے: وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی أَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ‘‘.

یہ الفاظ اس عظیم شخصیت کے ہیں جس کی معذوری اور بیماریاں اس کے مشن کی تکمیل میں رکاوٹ نہ بن سکیں، جو پورے جسم سے معذور تھے اور صرف سر ہلانے کے قابل تھے؛ لیکن ان کا سلامت سر ہزار مکمل جسمانی تندرستوں پر بھاری تھا، ۱۹۹۹ء میں ایک انٹرویو کے دوران آخری سوال جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ زندگی کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور کون سے اہداف ہیں، جن کی آپ کو اپنی زندگی میں پورے ہونے کی تمنا ہے؟ تو اس اہم سوال کے جواب میں شیخ نے یہ تاریخی جملے دہرائے تھے۔

۱۴ رمئی ۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے عالمی طاقتوں کے ساتھ غاصبانہ طور پر اپنی ناجائز اولاد کو مقدس سرزمین پر بسا کر ناپاک اسرائیلی سلطنت کی ناجائز بنیاد رکھی، جس کے بعد انھوں نے نہتے فلسطینیوں پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا، اور آج اسی سال گذرنے کے باوجود بدستور اپنی درندگی؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر شیطنت کا ایسا مظاہرہ ہو رہا ہے کہ جس سے شیطان بھی شرمائے، ہزاروں گھروں کو مسمار کیا جاچکا ہے، اور ان کی جگہ یہودی کالونیاں بسا رہے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ اگر کوئی آپ کے گھر پر حملہ کر کے آپ کو باہر کردے اور مزید آپ پر ظلم کی انتہا بھی کردے اور آپ اپنا دفاع کرے، تو کیا آپ کو ہی ڈاکو کہنا کس مذہب و تمدن یا دنیا کے کسی بھی قانون میں روا ہے، جب کہ یہی وہ یہودی تھے جب ان کو دنیا کے مختلف خطوں سے بالخصوص عیسائی دنیا نے چن چن کر نکالا؛ لیکن مسلم حکومتوں نے ہمیشہ ان کے ساتھ بہترین سلوک کرتے ہوئے اپنے علاقوں میں جگہ دی؛ لیکن تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے، یہ غدار، بے وفا، لالچی، بزدل اور ظالم قوم آستین میں سانپ کے مانند اپنی پرانی خصلت کو دہراتے ہوئے احسان کے بدلے احسان شناسی تو کیا کرتے انھوں نے احسان فراموشی کی بھی انتہا کرتے ہوئے ظلم و بربریت کی ساری حدیں پار کردیں، اب تک اس مقدس سرزمین پر ہزاروں بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور عام شہریوں کا وحشیانہ طریقے سے قتل کیا جاچکا ہے، رہائشی علاقوں میں میزائل اور بمباری کرتے رہنا، نوعمر لڑکوں کو حوالات میں بند کرنا بلکہ گولیوں سے بھون دینا، اور کسی نہ کسی بہانے مسجد اقصیٰ کو نقصان پہچانے کی کوشش کرنا اس کا روزمرہ کا معمول بن گیا ہے، ایسے حالات میں اپنا دفاع کرنا اور عزت وآبرو جان ومال کی حفاظت کرنا دین ودنیا دونوں قوانین میں فرض کا درجہ رکھتا ہے، ان ہی حالات سے مجبور ہوکر اور قبلہ اولیٰ بلکہ انسانیت کو صہیونی درندگی سے بچانے کے لیے ۱۹۸۷ء میں شیخ احمد یاسین شہید نے انتفاضہ کی بنیاد رکھی۔

شیخ احمد یاسین کی ولادت ۱۹۳۸ء عیسوی میں ہوئی، اس وقت فلسطین برطانیہ کی حکمرانی میں تھا، انھوں نے آنکھیں کھولی تو عام مسلمانوں پر ظالم برطانیہ وغاصب یہودیوں کی بربریت ہی کو دیکھا، اس دوران نہتے فلسطینیوں کو گاجر مولی کی طرح کٹتے دیکھا، یہی وہ بنیادی وجہ تھی کہ انہوں نے فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف اپنی زندگی وقف کرتے ہوئے غاصب صہیونی ریاست کے خلاف جدو جہد شروع کردی، شیخ احمد یاسین شہید نہایت چاک وچوبند اور تیز طرار لڑکے تھے جو مقامی سطح پر کھیلے جانے والے اہم کھیلوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، ایسا ہی ایک کھیل ان کے لیے زندگی بھر کا روک بن گیا، جب سنہ ۱۹۵۲ء میں کھیل کود کے دوران چھلانگ لگانے سے ان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی، یہ حادثہ اس قدر خوفناک ثابت ہوا کہ ۵۴ر دن تک پلستر میں رکھنے کے بعد جب ان کی

گردن کی پٹی کھولی گئی تو وہ پوری زندگی کے لیے مفلوج ہو چکے تھے، ان کے جسم کا نچلا حصہ مفلوج ہونے کے ساتھ ان کے جسم کے دوسرے حصوں پر بھی اس کے گہرے منفی اثرات مرتب ہوئے تھے، جب فلسطینی تحریک آزادی کے دوران شیخ احمد یاسین شہید کو اسرائیلی فوجیوں نے حراست میں لیا تو دوران حراست انہیں ٹارچر کیا گیا جس کے نتیجے میں ان کی دائیں آنکھ کی روشنی چلی گئی تھی؛ لیکن اس شدید معذوری کے باوجود وہ ایک چراغ کے مانند تھے، جس سے ہزاروں دیے روشن ہوئے، بچپن سے ان کا یہ عقیدہ راسخ ہوتا چلا گیا کہ فلسطین اسلامی سرزمین ہے اور کسی بھی عرب رہنما کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے کسی بھی حصہ سے دستبردار ہو، اگرچہ فلسطینی انتظامیہ سمیت عرب رہنماؤں سے ان کے تعلقات استوار رہے، تاہم ان کا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ نام نہاد امن کا راستہ امن نہیں ہے اور نہ ہی امن مزاحمت کا متبادل ہوسکتا ہے، ان کی قائم کردہ اسلامی تحریک بنام حماس کے معنی ہی جوش وجذبہ کے ہیں، اپنی شدید معذوری کے باوجود کئی مرتبہ قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔

زندان، قید، دھمکیاں، قریبی ساتھیوں کی ٹارگٹ کلنگ بھی ان کے عزم وارادے کو متزلزل نہیں کرسکی، یہ ۲۲ مارچ ۲۰۰۴ء کی صبح نماز فجر کا وقت تھا کہ فضاء میں اسرائیل کے جنگی طیاروں کی گرج دار آواز نے غزہ کے باسیوں کو معمول کے مطابق پھر خوف وہراس میں ڈالا دیا، کیوں کہ عموما اس وقت طیاروں کا فضا میں نکلنا اس بات کا اشارہ تھا کہ صہیونی درندے کسی خاص ہدف کو نشانہ بنانے کے لیے نکلے ہیں۔ کچھ ہی دیر بعد غزہ کی صبرہ کالونی کی مسجد مجمع الاسلامی کے احاطے میں تین میزائل گرے اور اگلے ہی لمحے یہ خبر جنگ کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ فلسطینیوں کے روحانی پیشواء اور فلسطینی تحریک مزاحمت ''حماس'' کے بانی وسربراہ شیخ احمد یاسین کو ان کے رفقاء سمیت شہید کردیا گیا ہے، اس وقت شیخ مرحوم نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اپنی وہیل چیئر پر مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ یہ بمباری اس وقت کے بدنام زمانہ اسرائیلی وزیراعظم اور مسلمانوں کے خونی دشمن ارئیل شیرون کی براہ راست نگرانی میں ہوئی۔ جس میں شیخ سمیت ان کے سات رفقاء جام شہادت نوش کرگئے۔

بائیس مارچ کا دن آتے ہی فلسطینی قوم کے دل ایک بار پھر زخمی ہوجاتے ہیں، مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ فلسطینی قوم آج بھی اپنے روحانی پیشوا شیخ احمد یاسین کے طریقے اور فکر وخیال کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ شیخ کی روح یہ دیکھ اور سن کر ضرور آسودہ ہوتی ہوگی کہ جسمانی طور پر شیخ احمد یاسین اگرچہ فلسطینی قوم میں نہیں رہے؛ لیکن ان کی فکر نہ صرف پوری طرح زندہ جاوید ہے بلکہ اس وقت غاصب ریاست کے خلاف تحریک انتفاضہ القدس کی شکل میں پورے آب وتاب پر ہے۔

شاید صہیونیوں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک معذور اور جسمانی طور پر مفلوج مگر فلسطینیوں کی ہردلعزیز ہستی کو شہید کرکے شہد کی مکھیوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال رہے ہیں۔ آج صہیونی دشمن بھی ماننے پر مجبور ہے کہ ہم نے ایک شیخ احمد یاسین شہید کیا تھا مگر فلسطین کے ہر گھر میں شیخ یاسین موجود ہے۔ فلسطینی قوم نے صہیونی دشمن کو یہ پیغام اسی روز دے دیا تھا جب شیخ کو شہید کیا گیا۔ غزہ کی پٹی میں اس دن چالیس بچوں نے جنم لیا اور ان کے ماں باپ نے اپنے بچوں کے نام اپنے روحانی پیشوا شیخ احمد یاسین شہید سے منسوب کرتے ہوئے شیخ یاسین رکھ دیے تھے۔ یہ طرز فکر اس بات کا غماض تھا کہ فلسطینی قوم سے ان کے دل وجان سے پیارے روحانی پیشوا کو چھینا جاسکتا ہے، مگر ان کی فکر اور تعلیمات پر چلنے سے کسی کو روکا نہیں جاسکتا ہے:

اور فراز چاہئیں کتنی محبتیں تجھے
ماؤں نے تیرے نام پر بچوں کا نام رکھ دیا

موجودہ غزہ اور اسرائیلی جنگ میں بھی جس پر پچاس دن کا عرصہ گذر چکا ہے؛ لیکن دنیا کا بدترین قصائی اسرائیلی وزیراعظم جس کے ہاتھ ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے، وہ ان دونوں کو مستقل نشانہ بے سوچے سمجھے نہیں بنا رہا ہے، بلکہ اس کو اور صہیونی درندوں کو ڈر ان ہی بچوں سے ہے، یہی وہ نسل ہے جن سے پھر کوئی شیخ یاسین پیدا ہوگا جس کا صرف دماغ صحیح سلامت تھا؛ لیکن لاکھوں اسرائیلوں پر بھاری تھا، اس لیے انھوں نے بچوں کو ہی مارنا شروع کردیا، عورتوں پر حملے تیز کردیے تاکہ دوبارہ اس کوکھ سے ایسے جانباز ہی پیدا نہ ہوسکے، انھیں نہ ایسی کوکھ چاہیے اور نہ بچے، تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے، اس زمانے کا فرعون بھی اسی راستے پر چل رہا جس راستے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون چلا تھا، اور ذلت وناکامی اس کا مقدر بن گیا تھا، بالکل یہی صورت حال اس فرعون وقت کی بھی ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے بعد آنے والے احوال، فتنوں اور اسلام کے دوبارہ غلبے کا بڑی تفصیل سے ذکر

کیا ہے، اور ایسے مضامین پر دلالت کرنے والی دسیوں احادیث ہیں جن میں سے بطور نمونے کے صرف دو احادیث کا ذکر کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہود سے لڑیں گے، مسلمان ان کو قتل کریں گے، حتی کہ یہودی کسی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت بولے گا کہ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے ایک یہودی ہے، ادھر آ اور اس کو قتل کردے مگر غرقد کا درخت نہ بولے گا، وہ یہود کا درخت ہے (غرقد ایک کانٹے دار درخت ہے جو بیت المقدس کی طرف زیادہ ہوتا ہے)۔ [مسلم ۵۲۰۲]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا مقصد اور اسلام کے غلبے کا ذکر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پوری وضاحت سے بیان فرمادیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کردیں گے اور تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو ہلاک کردیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں مسیح دجال کو ہلاک کردیں گے۔ روئے زمین پر امن وامان کا دور دورہ ہوگا، شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑ بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس برس ٹھہریں گے، پھر ان کی وفات ہوجائے گی، مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور ان کو دفن کردیں گے۔ [مسند احمد: ج ۲/ص ۴۰۶]

☆☆☆☆☆

دولتِ عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ - تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ

مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

جلد اول (صفحات ۴۸۸) قیمت -/450

جلد دوم (صفحات: ۷۰۴) قیمت -/550

جلد سوم (صفحات: ۵۶۰) قیمت -/500

کل میزان- Rs.1500/-

رعایت کے بعد مع ڈاک مصارف -/1000 روپئے میں دستیاب ہے۔

نئی مطبوعات دیدہ زیب طباعت دولت عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ کی مفصل داستان آسان اور دلنشیں پرایۂ بیان میں لکھی گئی۔

دولتِ عثمانیہ کا عروج وزوال، سلطان عبدالحمید ثانی کے دورِ خلافت اور ان کے کارناموں کی تفصیل، خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کا سانحہ، انجمن اتحاد وترقی اور مصطفیٰ کمال پاشا کے دورِ حکومت کے اہم واقعات، ترکی میں اسلامی بیداری کے حوصلہ افزا اقدامات وحالات، سلطان عبدالحمید ثانی کی دو ڈائریاں، نیز موجودہ صدر ترکی رجب طیب اردوگان کے مؤمنانہ اقدامات۔

مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، لکھنؤ

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539

موبائل نمبر 8318841286 / 9889378176

بارکوڈیا اکاؤنٹ نمبر کے ذریعہ رقم جمع کراکر تینوں جلدیں حاصل کرسکتے ہیں۔

Account N0 10863759700

ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATION

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH LUCKNOW

IFSC CODE SBIN0000125

روداد چمن

’قانونِ وقف میں نئی ترمیمات اور ان کے اثرات‘

ندوہ میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے زیر اہتمام مذاکرہ کا انعقاد

رپورٹ: عباد الحق آسامی ندوی

ہمیں بخوبی علم ہے کہ آئے دن نت نئے مسائل ابھرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، اس کا سلسلہ تقسیم ہند کے آغاز ہی سے شروع ہو گیا تھا، آزاد ہندوستان مسلمانوں کے حق میں کبھی مکمل آزاد تھا ہی نہیں، خصوصاً ملت اسلامیہ کے ناخواندہ افراد، تنظیموں، اہلِ مدارس و مساجد اسی طرح غریبوں، مزدوروں اور مسافروں کو موجودہ ہندوستان میں بے شمار چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، پچھلے چند سالوں سے مسلمانوں کے ساتھ دوسرے درجے کے شہری کا سا برتاؤ کیا جا رہا ہے اور ممکنہ حد تک ذہنی طور پر ٹارچر کرنے اور ان کے اندر احساسِ کمتری پیدا کرنے کی بھرپور کوششیں جاری ہیں، مذہبی، سیاسی، سماجی، ملی، دینی حتی کہ عائلی امور میں مداخلت کی جا رہی ہے؛ بلکہ مداخلت کرنے کو اپنا حق سمجھا جا رہا ہے، کبھی سی اے اے، این آر سی، این پی آر کا چیلنج تو کبھی مدارس کے سروے کا سلسلہ، ابھی مسئلہ تین طلاق کی گتھیاں سلجھا ہی رہے تھے کہ اچانک مسئلۂ حجاب اور برقعہ کا طوفان بلا خیز آن پڑا، مسلم لڑکیوں کے حق میں نام نہاد حق مساوات کا مطالبہ کر کے ان پر ہم دردی و احسان جتلانے کی کوشش کی گئی، اور مختلف علاقوں سے حق آزادئ نسواں کی بازگشت جاری ہوئی، لو جہاد جیسا پروپیگنڈا پھیلا کر غیر مسلم نوجوانوں میں یہ جوش ابھارا گیا کہ وہ بھی مسلم لڑکیوں کو اپنی ہوس کا شکار بنائیں، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، مزید برآں یہ کہ انہدام مساجد و مدارس کا اندوہناک سلسلہ شروع ہوا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بلڈوزر کے ذریعے ہزاروں مکانات، مدارس اور مساجد زمیں بوس کی گئیں، ان جیسے چیلنجز سے نمٹ ہی رہے تھے کہ اب حکومت ہند کی جانب سے بلکہ سیاسی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دشمن اسلام ذہنیت کے حامل افراد کی جانب سے وقف امینڈ مینٹ بل ۲۰۲۴ء جیسی آئین ہند کے خلاف سازش سامنے آئی جس سے وقف شدہ جائدادوں کی دیکھ بھال کرنے والوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، ان کے حق میں غیر قانونی قبضے کے قصیدے گائے جا رہے ہیں اور وقف کے بارے میں غلط نظریات پھیلانے اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی انتھک کوششیں جاری و ساری ہیں، لہٰذا اس نئے ترمیمی بل پر مسلم کمیونٹیز اور مسلم تنظیموں کی جانب سے سوالات اور اعتراضات اٹھائے گئے اور آج اس پر غور وخوض کرنے اور اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اور صحیح راہ نکالنے کے لیے مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے تحت چلنے والا سلسلہ پروگرام ’’فیملی لاء لیکچر سیریز‘‘ کا ۲۱واں پروگرام منعقد کیا گیا۔

اس اہم پروگرام کے صدر مولانا عتیق احمد بستوی (سکریٹری مجلس تحقیقات شرعیہ) تھے، مولانا منور سلطان ندوی (رفیق مجلس تحقیقات شرعیہ) نے نظامت کرتے ہوئے تمہیدی گفتگو میں کہا کہ زکوٰۃ جس طرح انسانی معیشت کو مستحکم و مضبوط بناتی ہے اسی طرح وقف بھی مسلم سماج و سوسائٹی، اور عام انسانوں کی معاشی و اقتصادی، سماجی اور رفاہی کاموں میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے، اور اس کے اندر معاشرتی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی طاقت موجود ہے، پھر مولانا ظفر الدین ندوی (استاذ دار العلوم ندوہ العلماء) نے تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا، اور آیاتِ قرآنی کا ترجمہ بھی پیش کیا گیا۔

اس کے بعد محاضرہ کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے مفتی ظفر عالم ندوی (استاذ دار العلوم ندوہ العلماء) نے ’’وقف کی شرعی حیثیت: چند بنیادی باتیں‘‘ کے عنوان سے محاضرہ دیا، اس میں انہوں نے وقف کی تعریف، مشروعیت، حکمت، شرائط، اس کے اغراض و مقاصد، اہلیت، متولی، نظام وقف اور شرعی نقطۂ نظر کو بیان کرتے ہوئے اس پر کتاب وسنت اور فقہی عبارتیں نقل کیں اور اسی طرح انہوں نے وقف کی تولیت اور استبدال وقف وغیرہ کے جامع معانی و مفہوم اور چند اہم مسائل بیان فرمائے۔ انہوں نے کہا کہ وقف میں ایک اور اہم چیز ہے ’’استبدال‘‘ وقف میں استبدال سے مراد یہ ہے کہ وقف کی گئی جائیداد کو کسی مصلحت کے تحت فروخت کر کے، اس کی جگہ دوسری جائیداد خریدی جائے یا اسے کسی اور جائیداد سے تبدیل کیا جائے۔ اس عمل کو اسلامی فقہ میں ’’استبدال‘‘ کہا جاتا ہے، اور اس کی اجازت بعض شرائط کے تحت دی جاتی ہے، جیسے جب وقف کی گئی جائیداد ناقابل استعمال ہو جائے یا اس سے وہ فائدہ نہ پہنچے جو مقصود تھا، تو استبدال کی اجازت ہوگی، اور یہ عمل شرعی قاضی کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، اور اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ جو نئی جائیداد خریدی جائے، وہ وقف کے اصل مقصد کے مطابق ہو اور اسی کام میں استعمال کی جائے۔

پھر جناب عبد الحفیظ (ایڈوکیٹ ہائی کورٹ لکھنؤ) نے ’’ہندوستان میں وقف قوانین اور وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء‘‘ پر روشنی ڈالی، جس میں انہوں نے بتایا کہ ۱۸۱۰ء سے لے ۱۹۹۵ء تک مختلف ترمیمات پر مشتمل کل ۲۴/

ایکٹ پاس ہوئے تھے، اور اب پارلیمنٹ میں وقف ترمیمات بل ۲۰۲۴ء پیش ہوا، جس کی ایک اہم ترمیم یہ ہے کہ اب وقف کرنے والے کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور وہ بھی ایسا مسلمان جو کم از کم پانچ سال تک اسلام پر عمل درآمد کر چکا ہو، یعنی نو مسلم کے لیے اب ضروری ہو گیا کہ وہ پہلے بحالت اسلام پانچ سال گزارے گا اس کے بعد اسے اپنی جائیداد کو وقف کرنے کی اجازت ہوگی، اسی طرح وہ جائدادیں جو کسی غیر مسلم نے وقف کی ہیں اور وہ بطور مسجد، قبرستان اور مسافر خانہ کے زیر استعمال ہیں اب موجودہ نئے ایکٹ کے پاس ہو جانے کے بعد اوقاف سے خارج ہو جائیں گی۔

مفتی ابرار حسن ندوی (ایل ایل ایم) نے ''مجوزہ ترمیمات کا جائزہ'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے چند بنیادی باتوں کو سامعین کے سامنے اجاگر کیا، اور وقف امینڈمنٹ بل پر غور وخوض کرنے کی طرف زور دیا، اور بتایا کہ ترمیمی مسودہ قانون کی ''دفعہ ۳ سی'' پر خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد مہمانانِ خصوصی مولانا خالد رشید فرنگی محلی (امام عیدگاہ لکھنؤ)، جناب سید محمد شعیب (سابق سی ای او سنٹرل وقف بورڈ یوپی) اور جناب زفر احمد فاروقی (چیرمین سنٹرل وقف بورڈ یوپی) جیسی اہم شخصیات نے اپنے خیالات پیش کیے، مولانا خالد رشید فرنگی محلی نے اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جو وقف امینڈمنٹ بل ۲۰۲۴ء لایا گیا ہے، یہ بڑا سنگین مسئلہ ہے، اس کی سنگینی کا احساس اس طور پر کیا جا سکتا ہے کہ وقف کے سلسلے میں تین چار مہینوں سے میڈیا میں غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں، جس کی وجہ سے غیر مسلم یہ سمجھ رہے ہیں کہ سینکڑوں ایکڑ میں پھیلی ہوئی جو زمینیں مدارس و مساجد اور قبرستانوں کے لیے وقف ہیں جن کی قیمت سوا سو کروڑوں کی ہے، اور یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ ان اوقاف سے غریب مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کی جاتی ہے اور انہوں نے فرمایا کہ ان جیسے بل اور ان جیسے مسائل حکومت کی جانب سے صرف دو مقاصد کے تحت اٹھائے جاتے ہیں، غیر مسلم افراد مسلمانوں سے مزید بد ظن، ان کے تئیں بدگمان ہوں اور ان کے بارے میں مزید غلط خیالات رکھیں، مسلم عوام الناس کو علماء سے بیزار کیا جائے اور ان کی شبیہ کو بگاڑ کر ان سے دور کیا جائے۔

جناب سید شعیب (سابق سی ای او سنٹرل وقف بورڈ یوپی) نے کہا کہ ۹۰-۹۵ فیصد اوقاف مساجد، مدارس، قبرستانوں اور درگاہوں پر مشتمل ہیں، اکثر اوقاف ایسے بھی ہیں جہاں آمدنی سے زیادہ ان اوقاف پر خرچ کرنا پڑتا ہے، اور جی آئی ایس میپنگ کے ذریعے جو ڈیٹا جمع کیا جا رہا ہے اس کی کوئی مضبوط حیثیت نہیں ہے، انہوں نے وقف قانون کے بارے میں مسلمانوں اور وکلاء کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی ترغیب دی۔

جناب زفر احمد فاروقی (چیرمین سنٹرل وقف بورڈ یوپی) نے اوقاف کی صورت حال کا جائزہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ یوپی کے اندر جتنے بھی وقف شدہ جائدادیں ہیں، ان میں سے اکثریت کے پاس وقف نامے نہیں ہیں، بے شمار وقف شدہ جائدادیں وقف بالاستعمال کی شکل میں ہیں اور اس نئے ترمیمی بل میں وقف بالاستعمال کو ہی ختم کیا جا رہا ہے۔

پھر شرکاء مجلس کے درمیان سوالات اور مناقشہ کا بڑا دلچسپ سلسلہ شروع ہوا جو کہ محدود وقت تک چلا، پھر اخیر میں صدر اجلاس مفتی عتیق احمد بستوی نے اپنی صدارتی گفتگو کا آغاز کیا جس میں انہوں نے گوناگوں پیش آمدہ مسائل خاص کر وقف ترمیمی بل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ قانون میں نئی ترمیمات دراصل شریعت ایپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء کو ختم کرنے کی کڑی ہے اس بل کو اگر منظوری مل گئی تو وقف کا بڑا حصہ یوں ہی ختم ہو جائے گا، اوقاف کے سلسلے میں حکومت کا عام لوگوں سے رائے طلب کرنے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے صدر جلسہ نے کہا کہ: جب وقف مسلمانوں کا مذہبی معاملہ ہے تو اس کے بارے میں صرف مسلمانوں سے ہی رائے لی جانی چاہیے، عام لوگوں سے نہیں۔ اسی طرح انہوں نے اس بات کی بھی تلقین کی کہ چیلنجز زندہ قوموں کو درپیش ہوتے رہتے ہیں، اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، بس ہمیں محنت کی ضرورت ہے، بہرحال یہ بھی آزمائشی مرحلہ ہے، اس سے پہلے بھی مدارس کے سلسلے میں جو کاروائیاں شروع ہو گئی تھیں وہ بھی وقف بل سے کم سنگین مسئلہ نہیں تھا، اسی طرح چند مہینوں سے بلڈوزر کا معاملہ چل رہا تھا، پریشر آنے پر سپریم کورٹ کو اس میں دخل دینا پڑا، یہ سب محنتوں اور کوششوں کا ہی نتیجہ ہے، بس ہمیں اسی طرح بیدار مغزی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے محنت کرتے رہنا چاہیے، نیز صدر محترم نے کہا کہ: وقف کوئی بھی کر سکتا ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی قید نہیں ہے، غیر مسلم کا وقف شرعی وقف مانا جائے گا قابلِ انتفاع ہوگا، چاروں مسالک میں جواز کا فتویٰ ہے؛ لیکن اب اس میں بھی تبدیلیاں لا رہے ہیں، اسی طرح صدر جلسہ نے اس بل سے مرتب ہونے والے منفی اثرات کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس بل کو منظوری مل جاتی ہے تو وقف کا اکثر و بیشتر حصہ بالکل ہاتھ سے نکل جائے گا، کیونکہ ملک ہندوستان میں اوقاف کا بڑا حصہ زبانی وقف اور وقف بالاستعمال پر مشتمل ہیں اور نئے وقف بل میں دونوں طرح کے اوقاف کو ختم کرنے کی بات لکھی ہے، لہٰذا ہمیں احتیاط اور حکمت عملی کے ساتھ قانونی لڑائی لڑنے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد صدر محترم کی دعا کے ساتھ یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔

☆☆☆☆☆

رسیدِ کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام کتاب: **سوانح سید الطائفہ**
(علامہ سید سلیمان ندویؒ)
تالیف: ڈاکٹر محمد فرمان ندوی

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اہلِ علم کے لیے محتاجِ تعارف نہیں؛ وہ دارالمصنّفین کی جان، ندوہ کی پہچان، شبلی کے علمی وتحقیقی اور تھانوی کے اخلاقی وروحانی فرزندِ ارجمند تھے، انھوں نے عالمی سطح پر قومی وملی امور میں امتِ اسلامیہ کی قیادت کی، اور اپنے علمی وقار اور اعلی سیرت وکردار کی وجہ سے 'ہر دلعزیزی' کے مقام پر فائز ہوئے، اور لوگوں کے دل ودماغ پر ایسی حکومت کی کہ بجا طور پر 'سید الطائفہ' کا لقب پایا۔

کہتے ہیں کہ 'الولد مرآۃ أبیہ' (بیٹا باپ کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے)، استاد بھی اپنے شاگردوں کا علمی وروحانی باپ ہوتا ہے، اس لحاظ سے اگر ہمیں بعدِ زمانی کی وجہ سے علامہ کی شخصیت کو سمجھنے میں دشواری ہو تو آج بھی بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے ان کے شاگردوں کو دیکھا ہے؛ مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا ابواللیث ندوی، مولانا ابوالعرفان خاں ندوی، مولانا مجیب اللہ ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ علامہ کے ان شاگردوں کی فہرست میں شامل کیے جاسکتے ہیں جنھوں نے اپنے علم وفضل کا لوہا منوایا، اور بڑی دینی، علمی، تحقیقی وملی خدمات پیش کیں، اور جن کی بانگ سماعتوں میں زندہ اور آہنگ بصارتوں میں آج بھی متحرک ہے۔

اک ایسی شخصیت جس کا یہ کام ومقام ہو یقیناً امت کے لیے اک آئیڈیل اور نمونہ ہے، جس کا تقاضہ ہے کہ اس کی زندگی کا بار بار مطالعہ کیا جائے، اور اس سے حکمت وفراست کی چاشنی اور علم وفکر اور معرفت کی روشنی حاصل کی جائے؛ اسی لیے سید صاحبؒ کے تذکرہ وسوانح نگاری کے لیے ماضی میں تحریر وتصنیف کے کئی شہسواروں نے قلم اٹھائے، اور بڑی تحقیق وجستجو اور دیدہ وری وعرق ریزی کے ساتھ وقیع وضخیم کتابیں لکھیں، ان میں کچھ نمایاں نام ''تذکرۂ سلیمان'' مؤلفہ مولانا غلام حیدر آبادی، ''حیاتِ سلیمان'' مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندویؒ اور ''یادگارِ سلیمان'' مؤلفہ جناب عبدالقوی دسنویؒ کے ہیں۔

سید صاحبؒ کی احوال وافکار پر مشتمل اس وقت جو کتاب ''سوانح سید الطائفہ'' کے عنوان کے ساتھ ہمارے دستِ عقیدت میں ہے' اس کی وجہِ تالیف خود مصنف ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

''ان تمام کوششوں کے باوجود ایک ایسی متوسط کتاب کی ضرورت باقی تھی، جس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہو، اور ان کی خدمات اور علوم وافکار کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہو''۔

اور اس تالیف کے محرک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس علمی کام کے اولین محرک مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ انھوں نے سلسلۂ علماء ندوۃ العلماء کے تحت اس کتاب کو تیار کرنے کا مشورہ دیا، بحمد اللہ یہ کتاب ان کی حیات ہی میں مرتب ہوگئی تھی، ابھی منتظرِ اشاعت تھی کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے''۔

ڈاکٹر محمد فرمان ندوی کی یہ تحقیقی کاوش گویا ندوۃ العلماء پر ایک قرض تھا جو اس تالیف کی شکل میں بشکلِ احسن ادا ہوا؛ انھوں نے سید صاحبؒ پر لکھی گئی مذکورہ بالا کتابوں سے استفادہ کے ساتھ سید صاحبؒ کے مکاتیب، معارف میں شائع شدہ ان کے شذرات، معارف سلیمان نمبر ۱۹۵۴ء کے علاوہ علامہ شبلیؒ اور حضرت تھانویؒ کی حیات پر لکھی جانے والی تصنیفات، اور دیگر مضامین وکتب کا گہرائی سے مطالعہ کرکے ان خطوط پر اس کتاب کو تالیف کیا جو ان کے بڑے چاہتے تھے۔ یہ کتاب اپنے حسنِ انتخاب اور حسنِ ترتیب دونوں کی وجہ سے 'بقامت کہتر بقیمت بہتر' کی مصداق کہی جاسکتی ہے، اور اگر اس باب میں اضافہ نہیں تو اس موضوع کے لیے 'کوزہ بدریا' ضرور ہے، خاص کر اس معنی میں کہ یہ سید صاحبؒ کی حقیقی شخصیت کو انتہائی جامعیت کے بوصف تمام پہلوؤں کے ساتھ اجاگر کرنے میں ایک کامیاب کوشش ہے۔

کتاب کے آغاز میں سابق ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت جامع اور متوازن مقدمہ ہے، 'عرضِ مؤلف' کے بعد اصل کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے:

بابِ اول: 'حالاتِ زندگی'، جس میں خاندان، پیدائش، تعلیم وتربیت، افادہ وتدریس، عہدے اور ذمہ داریاں، خدمات وکارنامے، ہجرت، وفات، ازواج واولاد، اخلاق وعادات اور مشاہیر کے زبانی ان کے اوصاف وکمالات کا ذکر ہے۔

بابِ دوم: 'علمی وملی خدمات'۔ اس باب میں 'دارالمصنّفین' اور 'ندوۃ العلماء' کے حوالہ سے آپ کی خدمات اور ملکی وبین الاقوامی سرگرمیوں کے ساتھ'

تصنیفات ورسائل کا مطالعہ وتجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

بابِ سوم: 'علوم وافکار' کے عنوان سے معنون ہے، جس میں سید صاحبؒ کے قرآنی ذوق وتفسیری مزاج، علمِ حدیث کے تعلق سے آپ کے افکار و خدمات، فقہ میں آپ کی بصیرت، فقہی ذوق ومزاج اور فقہی کام کے حوالہ سے آپ کے خیالات کو پیش کرکے تاریخ نویسی میں آپ کے منصوبوں کا ذکر، عربی زبان وادب، اردو زبان وادب اور صحافت میں آپؒ کے نظریات اور کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

فاضل مؤلف کو، جنھوں نے اس سے قبل سید صاحب کے 'تفسیری نکات' پر بھی سات سو سے زائد صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں قلم اٹھایا ہے، اس اہم تالیف پر ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کی یہ کاوش مقبولِ خاص وعام ہوگی۔

'مجلس صحافت ونشریات'، ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے شائع ہوکر مطالعہ کے لیے دستیاب ہے۔

نام کتاب: **تذکرہ خلفاء راشدین**
(سوال وجواب کے آئینہ میں)
تالیف: عبدالمالک ندوی بھٹوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء کے بعد سب سے مقدس اور قابلِ تقلید جماعت' نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ و اتباعہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو اللہ رب العزت کی طرف سے مختار وچنندہ ہے، اور اس کے نبیؐ کی صحبت یافتہ، تربیت یافتہ اور معتمد جماعت ہے، جن کو امت کے لیے یہ کہہ کر نمونہ تسلیم کرلیا گیا کہ: "أصحابی کالنجوم، بأیھم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرلوگے، منزل تک پہونچ جاؤگے)، اور یہ وہ جماعت ہے کہ جس میں بہت سے لوگوں کے لیے جنت کی بشارت دنیا ہی میں دیدی گئی، اور آخر زمانے میں امت میں تفرق وتشتت کے فتنے کے وقت نصیحت فرمائی کہ: "ما أنا علیه وأصحابی" کہ میں اور میرے صحابہؓ جس طریقہ پر ہیں بس وہی (حق ہوگا)، اور بہ طور خاص ایک حدیث میں خلفاء راشدین کے سلسلہ میں فرمایا: "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین" (میرے طریقہ کو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑلو!)۔

آج کے اس پُرفتن دور میں جب کہ امت نہ جانے کتنے فرقوں میں بٹی ہوئی ہے، اور اسلام کے نام پر نہ جانے کتنے عبادت ومعاشرت کے طریقے اور کیسے کیسے عجیب وغریب عقائد ونظریات لوگوں نے اختیار کرلیے ہیں، اور ہر ایک قرآن وحدیث کو صحیح یا غلط اپنی دلیل بنائے ہوئے ہے، اور سارا کا سارا عالم اسلام "یضل به کثیراً و یهدی به کثیراً" (کہ اس قرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو ہدایت سے نوازیں گے تو بہت سوں کو گمراہ بھی کردیں گے) کا منظر پیش کررہا ہے، ایک عام مسلمان بیچارہ پریشان ہے اور بلسانِ حال کہہ رہا ہے کہ:

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

کفر وضلالت کے اس ڈھیر میں جہاں حق ایک ٹمٹماتے چراغ کی مانند جل بجھ رہا ہے، ضرورت ہے کہ اس چراغ کے اردگرد کو صاف ستھرا کرکے اس کی روشنی کو جلا بخشی جائے؛ تاکہ اس کے نور میں امت اسلامیہ حق کو دن میں آفتاب اور شب میں ماہتاب کے مانند چمکتا دیکھ سکے۔

'تذکرہ خلفاء راشدین- سوال وجواب کے آئینہ میں' امت کے نونہالوں کے ذہن ودل کے چراغ' اسی چراغ سے جلانے کی، اور ان کے رگ و ریشہ میں خلفاء راشدین کی محبت وعظمت سرایت کرنے کی اک کوشش ہے؛ تاکہ یہ نسلِ نو مستقبل میں گمراہی سے محفوظ رہے، اور خلفائے راشدین کی زندگی سے روشنی پاکر صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔

اس کتاب میں خلفاء راشدین کی حیات طیبہ کو سوال وجواب کے پیرایہ میں پیش کرکے بچوں کے لیے آسانی پیدا کردی گئی ہے۔ اس دور سیرتِ پاک اور دیگر اسلامی معلومات پر مبنی کتابیں سوال وجواب کے انداز میں بکثرت آرہی ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معلوماتی مقابلوں اور کوئیز میں ان کو نصاب بنادیا جاتا ہے، اور اس اسلوب میں سہولت سے اور کم وقت میں بچے سینکڑوں معلومات ذہن نشین کرلیتے ہیں۔

اس کتاب میں حضراتِ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے بالترتیب ہر ایک کی حیات سے متعلق سوالات وجوابات حالاتِ زندگی کی ترتیب کے اعتبار سے دیے گئے ہیں، اور ایک اچھی تعداد ایسے سوالات کی بھی ہے جن سے مشاجراتِ صحابہ وغیرہ کے سلسلہ میں گمراہیوں کا سدباب ہوجاتا ہے۔

تذکرہ خلفاء راشدین کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کس گہرائی سے مصنف نے ان حضرات رضوان اللہ علیہم کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ان کی حیات سے فائدہ اٹھانے کی کتنی دوررس غرض قائم کی ہے۔

کتاب کی زبان شستہ اور سلیس ہے، جس سے یاد کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ راقم کی نگاہ میں اسکول کے آٹھویں درجہ سے اوپر کے طلبہ کے لیے، اور اس معیار کے مقابلے کرانے کے لیے اک اچھی نصابی کتاب ہے۔

'صفہ بکڈپو' گنگوہ روڈ مانک مئو سہارنپور سے شائع ہوئی ہے، طلب کرنے کے لیے درج ذیل نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے: ۹۰۵۸۹۸۱۹۳۶

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: نکاح میں عام طور پر رواج یہ ہے کہ لڑکے والے لڑکی والے کے یہاں بارات لے کر جاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر چند لوگ مثلاً پانچ دس افراد لڑکی کے گھر جائیں تو کیا یہ بھی بارات کہلائے گی؟

جواب: بارات کا جو طریقہ عام طور پر رائج ہے، اسلامی شرع میں اس کا وجود نہیں، البتہ مجلس نکاح میں شرکت کی دعوت دینا سنت سے ثابت ہے اور چند افراد اگر لڑکی کے گھر نکاح کرانے جائیں تو اس کو بارات نہیں کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ لڑکی والوں پر ان کی استطاعت سے زیادہ اکرام وتکریم کا بوجھ نہ ڈالا جاسکے۔

[شرح الزرقانی مع المواھب اللدنیۃ: ج۲/ص۳۰۲]

سوال: نکاح کے بعد رخصتی کب تک ہونی چاہیے، اسی دن یا دو دن بعد یا چند مہینوں یا سال بھر کے بعد بھی رخصتی ہوسکتی ہے، شرع میں کیا حکم ہے؟

جواب: شرع اسلامی میں رخصتی کے دن کی کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ طرفین کی سہولت اور مصلحت پر موقوف ہے جیسی مصلحت ہو اسکی اجازت ہے، البتہ شوہر کو نکاح کے بعد مطالبہ رخصتی کا حق ہے۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج۱/ص۲۸۷]

سوال: دعوت ولیمہ کی مدت اور حد کیا ہے؟ کیا نکاح کے دوسرے دن ہی ولیمہ ضروری ہے یا بعد میں بھی گنجائش ہے؟ اگر گنجائش ہے تو کب تک؟

جواب: اصل تو یہی ہے کہ دعوت ولیمہ شادی و رخصتی سے تین دن تک ہو، اس کے بعد نہیں؛ لیکن اگر انتظامی دشواری ہو تو تین دن کے بعد ولیمہ کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج۵/ص۳۴۳]

سوال: مسلمان لڑکے اور لڑکی دو مسلم گواہوں کی موجودگی میں غیر مسلم جج کے روبرو ایجاب وقبول کریں تو کیا نکاح ہوجائے گا اور کیا یہ خلاف شرع تو نہیں ہے؟ کیا اس طرح کے نکاح سے حقوق زوجیت حاصل ہوں گے؟

جواب: غیر مسلم جج کے روبرو دو مسلمان مرد گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول ہوجانے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور حقوق زوجیت بھی حاصل ہوجاتے ہیں؛ لیکن نکاح کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے، نکاح کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ نکاح اعلانیہ ہو اور خطبۂ مسنونہ پڑھا جائے۔

[البحر الرائق: ج۳/ص۸۷]

سوال: آجکل بعض شہروں میں مسلم خاندانوں میں بھی یہ رواج ہو رہا ہے کہ منگنی ہوجانے کے بعد لڑکا اور لڑکی نکاح سے پہلے آزادانہ میاں بیوی کی طرح ملتے ہیں، ماں باپ کی طرف سے بھی اجازت ہوتی ہے، دونوں تفریح کے لیے بھی نکلتے ہیں، کیا صرف منگنی کے ہونے سے دونوں میاں بیوی کی طرح آزادانہ زندگی گذار سکتے ہیں؟

جواب: منگنی نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں، اس لیے لڑکا اور لڑکی دونوں کا ایک ساتھ آزادانہ رہنا، تفریح کرنا اور خلوت میں رہنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقہ ہے، اس سے گریز لازم ہے۔

[الدر المختار علی رد المختار: ج۲/ص۳۶۴]

سوال: جس لڑکی کے متعلق پیغام نکاح دیا گیا ہو، کیا لڑکا اسے خود دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: جس لڑکی کے بارے میں پیغام نکاح دیا گیا ہو، اگر نکاح کا ارادہ ہے تو لڑکا خود اپنی منگیتر کو دیکھ سکتا ہے، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ کو اس وقت اپنی منگیتر کو دیکھنے کی اجازت دی تھی جب کہ انھوں نے پیغام نکاح دیا تھا۔

[ترمذی، رد المحتار: ج۵/ص۳۲۵]

سوال: جس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہو اور پیغام نکاح دے چکا ہو تو کیا اس لڑکی کی تصویر کھنچوا کر منگوانا اور دیکھنا لڑکے اور اس کے گھر والوں کے لیے درست ہے یا نہیں؟

جواب: تصویر کھنچوانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے بلکہ خود دیکھ لے یا جائز طریقہ سے اطمینان حاصل کرلے۔ [حوالہ سابق]

سوال: کوئی مسلمان مرد کسی ہندو لڑکی کے ساتھ آریہ سماج مندر میں نکاح کرے تو یہ نکاح کیا ہے؟

جواب: غیر مسلم عورت (کافرہ ومشرکہ) کے ساتھ کسی مسلمان مرد کا نکاح حرام ہے، قرآن میں اسکی صراحتاً ممانعت آئی ہے: "وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ" یعنی مشرکہ عورت جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو، لہٰذا مذکورہ عورت جب تک ایمان نہ لائے اس سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

سوال: شوہر اور بیوی دونوں پہلے ہندو تھے کچھ دنوں کے بعد دونوں نے اسلام قبول کرلیا ہے، کیا دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا پہلا نکاح ہی کافی ہے؟

جواب: جب میاں بیوی دونوں ہندو تھے اور ہندو طریقہ کے مطابق نکاح کیا تھا اور اس کے بعد خدا کی توفیق سے دونوں مسلمان ہوگئے تو دوبارہ نکاح کرنا ضروری نہیں، بلکہ پہلا نکاح ہی کافی ہے، اب بھی دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں۔

[ہدایہ: ج۲/ص۳۲۴ باب نکاح اہل الشرک]

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۲۵ ستمبر ۲۰۲۴ء

Date 25th September 2024

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا